

عمران سیریز نمبر 42

ڈریٹھ متوا لے

تیرا حصہ

## انتساب

جناب حکیم محمد اقبال جسین

ایم۔ ل۔

پروپرائزٹر۔ آئی سلکو (پاکستان) کراچی کے  
نام جن کے ہاتھوں میں نے تین سالہ طویل علاالت  
سے نجات پائی۔

ابن صفائی

## پیش رس

کیا سمجھتے ہو جام خالی ہے  
پھر چھلنے لگے سیو آؤ

آج پھر تین سال بعد آپ سے مخاطب ہوں... اور اس پر یقین  
رکھتا ہوں کہ آپ کی دعاؤں نے ہی دوبارہ اس قاتل کیا کہ خدمت  
کر سکوں۔ میرا سینہ فخر سے تن جاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ میری  
حست یابی کے لئے مسجدوں، میساوں اور گرواروں میں دعا میں مانگی جاتی  
تھیں۔ مجھ تک میرے پڑھنے والوں کے مخطوط بھی سمجھتے تھے لیکن جواب  
دینے سے قطی مخذور تھا۔ جس کڑھ کرو جاتا تھا... بالکل تاکارہ ہو کر رہ  
گیا تھا تو قع نہیں تھی کہ پھر لکھنے کے قاتل ہو سکوں گا۔ ایسا محسوس ہونے

کا تھا جیسے کبھی کچھ لکھا ہی نہ ہو بھارتی کی اپنادا نزوس بریک ڈاؤن سے ہوئی تھی۔ پھر یادداشت پر اثر پڑا اور اس کے بعد مستقل طور پر ہر دوسرے تیرے شدید قسم کے قلبی دورے پڑتے رہا۔ اور مریدان طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلائے تھے۔ مابین صفائی پاگل ہو گیا ہے... کائیں دوڑتا ہے... اب صفائی نے پینے کی حد کروی تھی۔ (حالانکہ میری سات پتوں میں بھی بھی کسی نے نہ پی ہو گی) اس لئے ایک دن نزوس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ اب صفائی کا کسی سے عشق محل رہا تھا۔ اس نے بے وقاری کی، دل شکستہ ہو کر گوشہ نشین ہو گیا (حالانکہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور میرے لئے معنکھہ خیز ہے)۔

آخری اطلاع یہ تھی کہ اب صفائی کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر پر بچھنے اسی طرح ہی بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابھی اب صفائی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں۔

پھر درجنوں اب صفائی پیدا ہو گئے جواب بھی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرداروں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ ان میں ایک تو ایسا ہے کہ جس نے فاشی کی حد کروی۔ حمید اور فریدی کو بھی رندھی پاہنا کر رکھ دیا... سوچنے اور سرد ہنسنے۔ خدا ان سکھوں کی منفترت فرمائے اور مجھے صبر بھیل کی توفیق عطا کرے۔

پھر جب میری صحت یابی کی خبریں اخبارات میں چھپنے لگیں تو یار لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ میرے اور عباس حسینی صاحب کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں اور بھارت میں میری کتابیں ان کے اوارے سے نہیں شائع ہوں گی۔

ان بے چاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ پر ہی قربان کر سکتا ہوں (بشر طیکہ کسی بات پر جھینپ کر سکرائے ہوں)۔

اب کچھ ایسی باتوں کا ذکر سنئے جو بیماری کے دوران میرے لئے  
مزید ناخوشیوں کا سبب بنا رہی تھیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں دنیا کا  
مظلوم ترین مصنف ہوں۔ لاہور کے بعض پبلیشورز نے مل کر میری  
ساری کتابیں چھاپ ڈالیں (میری اجازت کے بغیر) چونکہ ایک وقت پاپچ  
کامال خاں نے ایک ہی کتاب کو کئی کمپلیشور زنے بیک وقت چھاپ کر  
مذکیت میں ڈھیر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پہنچدار کی کتابیں چھ چھ آنے  
میں فٹ پا تھوں پر بک گئیں۔ اکثر کتابوں کے نام بدلتے گئے اور پڑھنے  
والوں کو دھوکہ دیا گیا۔ کراچی میں ایک ذات شریف نے میرے ناول  
”زہریلا آدمی“ کے کرداروں کے نام تبدیل کئے اور اسے اکرم اللہ آبادی  
کے نام سے چلا دیا۔ اکرم اللہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں اس  
طرح ان کی بھی تو ہیں کی گئی۔ جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں کیا وہ  
قوم دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہو سکتی ہے۔ حشر کی بات دور کی  
ہے انہیں دنیا ہی میں بھگتا پڑے گا۔ انشاء اللہ.... منتظر ہیں۔

رہی مختلف قسم کے ابتوں اور صفحوں کی بات تو یہ بے چارے  
سارے قافیہ استعمال کر چکے ہیں۔ لہذا ب محض کسی ”امن خصی“ کا انتظار  
ہے۔ میری دامت میں تو صرف یہی قافیہ باقی بچا ہے!

کوئی صاحبہ (اسی قافیہ والی) عرصہ سے غلط فہمی پھیلائی ہیں کہ وہ  
میری کچھ لگتی ہیں.... لیکن یقین سمجھئے کہ میرے والد صاحب بھی ان  
کے جغرافیہ پر روشنی ڈالنے سے مخدور ہیں... واللہ اعلم بالثواب....!

اچھا ب اجازت دیجئے

والسلام

بین صفحوں

کراچی ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء

## O

نہیں نے ایک طویل اگھرائی لی اور پھر کمزیر کی سر نکال کر ملکے اندر سیڑیے میں گھونٹنے لگی۔  
شخذری ہوا کے جھوٹکے اسے اپنی روح کی گہرائیوں تک محسوس ہو رہے تھے لہسا معلوم ہو رہا تھا  
جیسے چاروں طرف تکڑا ہوا جگل بھی اپاک اسی کی طرح جاگ چاہو۔ پرندوں کی نیم غنودہ  
آوازوں سے فضائیں قش ہونے لگی تھی۔

اس نے سختی سے دانت بھینچ لیے۔ اس بار اگھرائی جسم ہی میں سست کر رہ گئی کیونکہ وہ کمزیر کی  
سے ہاتھ ہٹا کر اپنا چہرہ اندر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پچھوڑی بعد وہ بڑی بڑی..... ”پھر وہی سچ..... پھر وہی دن..... پھر وہی بوریت.....“  
پھر وہ ایک طویل سانس لے کر آدمی دھر سے کمزیر کی پر جنگ لگی۔ اس کے ذہن نے  
بوریت کی بھکر اڑ شروع کر دی تھی۔

”بوریت....!“

دور تک بکھرے ہوئے جنگلوں کے درمیان ایک تھام عالمت کے کمین خود کو بوریت کا فکر  
محسوں کریں تو حیرت کی بات نہیں۔ یہ نواب صورت جنگ کی کوئی تھی۔ کچھ دن کے جگل کا یہ  
حصہ زیادہ گھنٹیں تھا پھر بھی یہاں اس دیرانے میں کوئی... نہیں۔

قریب ترین دیکھی علاقتے بھی یہاں سے کم از کم دس میل دور ہوں گے۔ پھر یہاں کوئی ؟  
لیکن جو لوگ نواب صورت جنگ سے واقع تھے انہیں اس بات پر حیرت نہیں تھی۔ بھلا  
ایک شہر دیوار نے آدمی سے توقع عدی کیا ہو سکتی ہے؟ وہ عرف عام میں انکی مشہور قیاد حیثیت بھی  
نہیں تھی۔ ماروڑاڑ کی فلموں اور امریکی الٹروجنری کہانیوں نے سمجھ معمتوں میں اس کے ذہن پر گھرا  
اڑ والا تھا۔ وہ خود کو امریکی کہانیوں کے کسی TOUGH BOY (خطراک آدمی) یا کے روپ میں

پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ دیے یہ اور بات ہے کہ ڈیل ڈول کے اعتدال سے لوگ اس پر نواب مجرم جنگ کی چمکتی کئے پر بھی حق بجا تب ہی رہے ہوں۔ چالیس بھالیس سال کا سو کھا سا کھا آدمی تھا کو شش کرتا تھا کہ اس کی آنکھیں دوسروں کو خوفناک نظر آئیں۔ مختکوں کے دوران نئے پہلوں پہنچنے لگتے تھے لیں بھی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مخاطب کو دو چار ہاتھ مزدوج جہاد دے گا۔ ہونٹ بمحض بمحض کر مختکوں کو تاثور زیادہ تر کا ذریعہ سوت میں نظر آنے کی کوشش کرتا تھا کہ ساروں کھوڑے غیر پر گزرے۔

آج کل تو خاص طور پر شکار کا بیرون تھا۔ دو صاحبین اور سات عدد ملازمین ساتھ تھے۔ اور ایک تمی بے چاری نیٹا۔ اس کی پرائیوریٹ سیکریٹری۔ اگر وہ صرف پرائیوریٹ سیکریٹری ہی ہوتی تو جب تو کوئی بات نہیں تھی۔ نہایت اطمینان سے ملازمت پر لات مار کر گمراہی پڑھ رہتی۔ صیبیت تو یہ تھی کہ وہ اس کے ایک پیشی ملازم کی بیٹی تھی اور خود اس کی پروردش اور تعلیم و تربیت بھی صدر جنگ ہی کے محل میں ہوئی تھی۔

وہ اکثر سوچتی کہ اگر بچپن ہی میں وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی تو اس جہنم میں کیوں سلگتا پڑتا۔

صدر جنگ نے بچپن ہی سے اسے اسارت بنانے کی کوشش کی تھی۔ اتنی اسارت کہ اب وہ بھی کاؤ بوائے سوت میں ملبوس گھوڑے کی پشت پر اس کے پہلو بہ پہلو نظر آتی کیونکہ کر کے ہو لشتر میں ریو اور ہوتا اور کاندھ سے ایک چھوٹی سی رانفل لگی رہتی لیکن وہ اس زندگی سے بیزار تھی۔ بعض اوقات صدر جنگ پر اس شدت بے غصہ آتا کہ اپنی ہی بوئیاں نوچتے گئی۔ دل چاہتا جیجی جیج کر کے۔ ”باس۔۔۔ تم حقیقتاً مجرم جنگ ہو۔ اپنی اوقات کو نہ بھولو۔۔۔ شاید میرا ہی ایک تھڑی بہرہ برداشت کر سکو؟“

وہ ”باس“ کہلاتا تھا۔ صاحبین ملازمین تھیں کہ ہزار ہیں تک پرپارندی عائد تھی کہ وہ اسے حضور کی بجائے ”باس“ کہہ کر مخاطب کیا کریں۔۔۔!

آج کل اس کی کوئی میں گیدہ افراد مقیم تھے۔ ان میں دو عدد صاحبین بھی تھے۔ نئی کرامت علی اور شیخ شاہ اللہ۔۔۔ لیکن بھلا صدر جنگ جیسے اسارت قسم کے کاؤ بوائے کو یہ نام کیوں پسند آتے۔ لہذا نئی کرامت علی ”ہارڈی“ ہو گئے تھے اور شیخ شاہ اللہ جو پستہ قدستے ”شارذی“ کے نام سے نوازے گئے تھے۔۔۔ رہ گئے ملازمین تو ان میں حالانکہ کبھی نتو بدو، خراتی تھے لیکن صدر جنگ انہیں ”بلڈ“ ”فریڈ“ ”ڈوفنی“ ”ویری“ وغیرہ قسم کے ناموں سے پکارتا تھا۔

...لور بے چاری خنا جھیتا نیم النہیں نخا توں تھیں۔

...تو بے چاری نینا نے اپنا آدم حجم کھڑکی کے اندر سیست کر پھر ایک طویل اگرائی لی اور پہلے سے بھی زیادہ بور ہونے لگی۔

بوریت .... یعنی آج پھر دکھل کا پروگرام تحدِ محفلے تین دنوں تک وہ سب آرام کرتے رہے سکتے۔ وجہ یہ تھی کہ صدر جنگ کو زکام ہو گیا تھا! ....

صدر جنگ کو زکام کیا ہو تو تاقیامت نوٹ پڑتی تھی۔ لیکن خود اسی پر دوسروں پر نہیں ..... دوسرے تو اطمینان کا سانس لیتے تھے۔ کیا سالہ ماہال کی حکومت دو رہوتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب بھی صدر جنگ کو زکام ہو تو اسے گوش نہیں ہو جاتا پر تاکوں کو کہ صورت عی گز کر رہ جاتی تھی۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے اور تاک سے نزل ..... شترے سرخ ہونٹ پہنچ رہے ہیں اور تاک ہے کہ پے در پے شوں شوں کے جاری ہے کبھی کبھی وہ جھلات ہٹ میں تاک پر ہاتھ بھی رسید کر دیتا۔ لکل اسی انداز میں مجھے وہ اس کے جسم سے قلسی کوئی علیحدہ چیز ہو۔ بس وہ بحالت زکام خود کو کسی کرے میں بند کر لیتا اور حادثہ نہیں بلکہ صحیح متوفی میں کسی کو اپنی محل دکھانا ہرگز پنڈنہ کرنا۔

ہاں تو آج پھر دکھل کا دن تھا.... وہ سوچنے کی تمام دن گھوٹے کی پشت پر برس رہا گا.... پھر ان گدھوں کی اوٹ پنگ باشیں سنوا میرے خدا کب تک یونہی برس رہو گی۔

اب فضا پر دنوں کی آوازوں سے پوری طرح گونج رہی تھی۔ مشرق افق میں سرخ دھاریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ سوچی رہی، الجھی رہی۔

ای وقت صدر جنگ، مشنی کرامت علی ہاذذی اور شیخ شاہ اللہ شادثی بھی ڈائیکٹ روم میں داخل ہوئے۔ وہ تینوں کا دباؤ اسے سوٹ میں تھے....

”مورنگ بس....“ مینا نے بھرا لی ہوئی آواز میں کہا۔

”مورنگ....“ صدر جنگ شوکر سے کری کھکھاتا ہوا غریلہ۔ ”آج دکھل کا دن ہے اور تم ابھی تک شلوار میں ہو....!“

”وہ.... دیکھنے.... میں.... آج....“

”ستوپ!“ صدر جنگ دھاڑک ”بہانہ.... نہیں.... شٹ اپ!“

جس کے اقتدار سے اس کی آواز تحریر ک کی..... کوئی ابھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ مخفی سا

آدمی اتنی گرجدار آواز رکتا ہو گا.... بہر حال اسے غصہ آگیا اور شیخ شاہ اللہ شادافی بوکھلا کر اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کیونکہ اس پچارے کے پاس ڈاڑھی کے سواب اپنارہ بھی کیا گیا تھا.... بڑی مشکل سے ڈاڑھی پچائی تھی.... روایا تھا.... گز گز لیا تھا۔ صدر جنگ کے قدموں پر سر رکھ دیا تھا اور آنسوؤں سے مند دھوتا ہوا بول اتھا۔ ”سر کارا... ارے قوبہ... باس... اس پر رحم کبھی! پھر پاشت سے چلی آرہی ہے یہ گئی تو اجدو کی عزت گئی.... ہمارے گمانے میں آج تک کسی نے ڈاڑھی نہیں منڈوالی....“

پتہ نہیں کیوں صدر جنگ کو رحم آگیا مگر ایک شرط پر.... شرط یہ تھی کہ ڈاڑھی اسی صورت میں بچ کے گی جب سر منڈوا دیا جائے.... اور کبھی توپی نہ پہنی جائے... مرنا کیا نہ کرتا۔ روزی کام حاملہ تھا.... بہر حال ڈاڑھی بچ گئی مگر سر ہر روز منڈتا رہا.... یہ فشی کرامت علی ہڑھی کی ڈیوٹی تھی کہ ہر روز صحیح ہوتے ہی شیخ شاہ اللہ شادافی کا سر منڈنے بیٹھ جائے....!

کوئی نہیں جانتا تھا کہ صدر جنگ نے یہ شرط کیوں رکھی اور نئے سر رہنے پر کیوں معمراً رہتا ہے۔ اس نے کبھی کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی....

ہاں تو اس وقت صدر جنگ کو اپنی سیکرٹری پر غصہ آگیا تھا۔

”میں کبواس نہیں سنوں گا!“ وہ بیٹھتا ہوا حاضر۔ ”کیا تمہیں زکام ہو گیا ہے؟“

”نہ... نہیں بس!“

”پھر...!“

”مگر کچھ... نہیں!“

”شارافی۔ شارافی...“ صدر جنگ غریل۔ ”ہاتھ روکو! جب تک یہ سوت نہیں پینے گی ناشت نہیں ہو گا...“

”اوکے بس!“ دونوں نے ہاتھ روک لیے اور نینا کرنے سے جانے ہی والی تھی کہ ایک ملازم جھٹا ہوا اندر آیا....

”کیوں؟...“ صدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”باس!“ وہ نہ پتا ہوا بول۔ ”و فقیر...“

”و فقیر...! دماغ خراب ہوا ہے... اپنا طیہ تو دیکھو!“

”ہاں بس اوہ نہ نے مارنے پر آمادہ ہیں...!“

”وَفَقِيرٌ... مَرْنَهْ مَدْنَهْ پَرْ آمَادَهْ هِنْ... اَبَهْ دَمَغْ تُونَسْ جَلْ گَيَا... كِيَا بَكَابَهْ!“  
”بَاسْ! اَوهْ كَيْتَهْ هِنْ نَاشَهْ لَاهْ...“

”وَفَحْ هُوْ جَلَّا...!“ وَهَا تَحْ بَلَكْ غَرْلَيْدْ ”أَنْسِنْ كَهَانَادَهْ...“  
”مَكْرَ بَاسْ...“ وَهَا تَأْمَرَغْ تُوسْ كَعْصَنْ مَاعَنَجْ هِنْ... ”زَوْرَنْ هَوْخَهُورْ بَجَهْ مَنْ كَهَدْ“ مِنْ  
نَهْ دَهْكَلَاهْ تَرْنَهْ مَارَنْهْ پَرْ آمَادَهْ هُونَگَهْ... اَيْكْ وَهْ جَوْلَهْ اَسَاهْ... پَكَارَاهْ هِيْهْ... بَذَهَا  
بَهْ چَارَهْ تَوْكَهْ هِيْهْ بُولَاهْ بَلَكْ شَرْمَاهْ شَرْمَاهْ لَمَيَا سَاهْ... هِنْ نَهْ سَالُونْ كَوْدَهْكَلَاهْ... آپْ كَاتَامْ  
تَهْلَيَا... مَكْرَ...“

”هَامْ...!“ صَدَرْ جَنَگْ اَجَلْ كَرْ كَهَدْ اَهْ كَيْلَدْ ”شَارَثَيْ...“ هَارَدَيْ... كَمْ اَلَّا كَمْ...“  
”وَهْ تَهْنُونْ دَرْوَاهْزَهْ كَيْ طَرْفْ تَجَهْيَهْ...!“  
پَهْرَ چَنْدَهْ لَحُونْ کَے بَعْدَ دَوْنُونْ فَقِيرَوْنْ کُو كَوَهْ کَيْ طَرْفْ تَيُورَوْنْ سَهْ گَهُورَ رَهْ تَهْ تَهْ انْ کَاهْلِهْ عَجَيبْ  
قَنْدَهْ دَوْنُونْ کَے کَيْزَرْ جَانِجَا فَلَكَشَهْ اَورْ گَرَوْسَهْ اَئَهْ هَوَعَهْ تَهْ

”مَهُوتْ...!“ فَشِيْ كَرامَتْ عَلَى هَارَدَيْ زَيْرَلَبْ بُرْ بُورَلَيْ  
”كِيَابَاتْ هِيْهْ...؟“ صَدَرْ جَنَگْ نَهْ آَنْكِسِنْ تَهْلَيَا...  
”نَاشَهْ...!“ تَوْجَانْ آَكَهْ بَرْ حَتَاهْ بَرْ الَّكَاهْ... لَكِنْ بُوزَهَا آَدَيْ اَپَيْ جَنَگْ كَهَدْ اَهْوَنُونْ هِيْ  
هُونَنُونْ مَلْ كَيْجَهْ بُرْ بُورَا كَرَهْ كَيْلَدْ حَقِيقَتَهْ اَسَهْ کَيْجَهْ بَرْ خَيَالَتْ کَے آَهَارَتَهْ...!  
نَيَانَا تَوْجَانْ کَوْ عَجَيبْ نَظَرَوْنْ سَهْ گَهُورَهِيْ تَهْيَيْ... وَهْ سَوْقَ رَهْنَهْ تَهْيَيْ كَرْ فَلَكَشَهْ حَالْ هَوَنَخْ کَے  
بَاهْجَودْ بَهْيِيْ يَهْ لوْگْ فَقِيرَهْ تَهْنِسْ مَطْلُومْ هَوَعَهْ...!  
”تَمْ جَهْجَرَاهْ رَهْ تَهْ...؟“ صَدَرْ جَنَگْ وَهَا لَـ

”کَيْوَنْ نَهْ كَرِيْسْ؟“ تَوْجَانْ نَهْ بَرْ جَهْتَهْ جَوَابْ دَيْلَـ  
هَنْوَسْتْ كَعْصَنْ اَئَهْ کَيْ مرْغِيْ مَانَگْ رَهْ تَهْ... شَيْخُ شَاهَ اللَّهِ شَارَثَيْ نَهْ كَلَوْا الَّكَاهْ...  
”پَهْرَ كَيْلَا فَتَنَيْ؟“ تَوْجَانْ نَهْ جَلَاهْ كَهَدْ... ”لَكَوْ كَيْ بَجَيَا اَورْ خَمِيرَيِيْ بَرَدَيْ... اَيْ شَيْخُ صَاحِبْ  
مَيْنَ جَاهِتَا هَوَنْ يَهْ تَوَابْ صَدَرْ جَنَگْ بَهَادَرَهِيْ کَوْ تَهْيَيْ...“  
”هَاهْ... هَاهْ!“ صَدَرْ جَنَگْ خَوشْ هَوْ كَرِيْسْنَيْ پَرْهَا تَحْ بَارَهَا هَوَا آَكَهْ بَرْ خَالَـ  
هِيْ... توْهَرْ...؟“

”توْهَرْ... يَهْ كَهْ اَتَنِي بُويِيْ سَرْ كَارْ هِنْ هِمْسِنْ اَئَهْ کَيْ مرْغِيْ کَے عَلَادَهْ اَورْ كَيْلَهْ گَاهْ؟“

”گذ... ویری فائین....!“ صدر جنگ بے حد خوش ہو کر دھڑک ”شارٹی ہارڈی دونوں کو اندر لے چلو....!“

اور پھر کچھ دیر بعد دونوں باقاعدہ طور پر ناشتے کی میز پر آئے۔  
نینا متوجه تھی.... کتنی جلدی یہ سب کچھ ہوا.... دو خند حال بھکاری آئے اور فوکروں سے جھکر بیٹھے.... صدر جنگ کو غصہ آیا اور دھنخا فرو بھی ہو گیا اور اب وہ دونوں نہاد ہو کر اور کپڑے تبدیل کر کے معزز مہماںوں کی طرح ناشتے کی میز پر برآ جان ہیں.... شارٹی اور ہارڈی کے شفاف کپڑے انہیں دلوائے گئے تھے.... نینا سوچ رعنی تھی کہ یہ نوجوان آدمی کتنا چب زبان اور چالاک ہے جس نے صدر جنگ جیسے منہ زور گھوڑے کو اتنی جلدی رام کر لیا.... اور اب وہ بوڑھے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ ”میرے بھجا.... بے چارے عقل سے مخدود ہیں....!“

بوڑھے آدمی کا پھرہ سرخ ہو گیا۔ مگر وہ کچھ بولا نہیں۔ سر جھکائے خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔  
”یا تم واقعی بھکاری ہو؟“ صدر جنگ نے پوچھا۔  
”لا حول ولا قوہ....!“ نوجوان نے پر اسامنے بیٹھا۔  
”پھر....؟“ صدر جنگ کے لبجھ میں حیرت تھی۔

”اگر بھوکا ہونے کا مطلب بھکاری ہوتا ہے تو ہم سب رات کو لارڈ ماڈنٹ بیٹھن کی طرح سوتے ہیں اور صحیح بھکاری اشتبہ ہیں۔“

”یا تم تو بترا لا معلوم ہوتے ہو۔“ فٹی کرامت علی ہارڈی نے کہا۔  
”نوجوان آدمی جواب میں کچھ کہنے تھی والا تھا کہ صدر جنگ بول پڑا۔“ پھر تم کیا بیلا ہو....؟“  
”سر کار.... ہم لوگ....!“

”سر کار نہیں! بابا!“ صدر جنگ انگلی اٹھا کر بیلا۔ ”ہمیں کچے پے القاب سے نفرت ہے!“  
”خیر.... خیر....“ نوجوان نے سر ہلا کر کہا۔ ”ہم لوگ بالاگر سے بس پر ساجد ہمگر جا رہے تھے.... راستے میں بس الٹ گئی.... ویسے ہم لوگ مستری ہیں بندوق ہتاتے ہیں.... اور یہ میرے بھجا تو استاد ہیں۔ چھ فائر کی ٹولیوں بورہ بیالے ہیں....!“

”چھ فائر کی ٹولیوں بورہ....؟“ شارٹی مفعکانہ انداز میں بیلا۔  
”ہاں چھ فائر کی!“ نوجوان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”کیا جھوٹ سمجھتے ہو میں کمال تو یہ

ہے کہ نال صرف ایک ہوتی ہے...."

"واقعی کمال ہے.... بھلا دی کیسے؟" صدر جنگ نے پوچھا۔

"بہت آسانی سے.... اس میں بھی ریو الور کی طرح جیسا ہوتے ہیں، اور گردش کرتے ہیں اور ہمیں اتنی کہ پچھے بھی لٹکائے گومتا پھرے.... ہم دراصل ایسی ہی ایک بندوق بڑے آدمی کے لیے بنا نے جا رہے تھے...."

"بڑے آدمی کے لیے؟" صدر جنگ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کون ہے وہ بڑا

آدمی؟"

"بڑی عورت کہئے.... رانی ساجد گمراہ! " نوجوان نے کہا۔

"اوہ...." صدر جنگ نے غرا کر ہاتھ روک لیے۔ چند لمحے نوجوان کو کڑی نظر دی سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "ہماری دشمن کے لیے بندوق بنا نے جا رہے تھے اور ہماری ہی میز پر...."

"آپ کی دشمن۔" نوجوان نے حیرت سے دہرایا۔

"پشتی دشمن.... یہ دشمنی شاہجهہاں کے وقت بے چلی آرہی ہے۔"

"تب تو بندوق ہرگز نہیں بن سکے گی۔" نوجوان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آپ اتنے اچھے آدمی ہیں.... نہیں پچا جان.... اب ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔"

بوڑھے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں انجمان کے آثار تھے۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

"آپ ذریعے نہیں پچا جان۔" اس نے بوڑھے سے کہا۔ "یہ بھی بہت بڑی سر کار ہے۔ رانی ساجد گمراہ اچھے نہیں بازاں سکتیں۔"

"جال ہے کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے کیے...." صدر جنگ غریباً پھر بوڑھے آدمی سے بولا۔

"بڑے میاں تم قطی نہ ڈرو.... سمجھے.... ہماری پناہ میں آیا کتے کا پلا۔ بھی خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ تم ہمارے لیے بندوق بناو مالا مال کر دیں گے.... گرم تو پچھے بولتے ہی نہیں۔"

"نہ بولنا ہی بہتر ہے۔" نوجوان سر ہلا کر بولا۔ "جب بھی بولیں گے کوئی بے وقوفی ہی کی بات بولیں گے۔ اس لئے خود ہی خاموش رہتے ہیں۔ اس حاملہ میں کافی سمجھدار ہیں...."

"پھر بھی وعدہ کرو کہ ہمارے لیے بندوق بناو گے" صدر جنگ نے بوڑھے سے کہا۔

"بہت اچھا جناب...." بوڑھے نے پھنسی پھنسی ہی آواز میں کہا اور بے نہیں سے نوجوان کی

طرف دیکھنے لگا۔

”مگر..... یہ ہے ٹیڈی میں کھیر!“ نوجوان متکرانہ انداز میں بولا۔ ”ہم گھر واپس گئے تو اپنی صاحبہ ہمیں پکڑ بلوائیں گی..... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم یہیں چھپے رہ کر آپ کا کام کرتے رہیں....“

”بڑی خوشی سے..... بڑی خوشی سے!“ صدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑ۔ ”چھپنے کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہو اور علاوہ گھومو پھرو... دیکھتا ہوں کہ وہ شترزادی تمہارا کیا بگاڑ لیتی ہے۔“ ”شترزادی“ پر دونوں مصاحبوں نے زور دار قہقہے لگائے اور ان میں سے ایک اس کے باشندہ شوہر کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگا۔

نہ جانے کیوں نینا اس گفتگو سے مطمئن نہیں تھی۔ نوجوان اسے پاک فراہ معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی..... وہ سوچ رہی تھی کہ بس اتنے کی وجہ سے وہ اتنی زیادہ گرد میں کیسے اٹ گئے ہوں گے جبکہ بالا گھر اور ساجد گھر تک پختہ اور شفاف سڑک پھیلی ہوئی ہے اور سڑک کے دونوں جانب کی زمین بھی سخت ہے۔

تقریباً دس بجے وہ چاروں ٹکار کے لیے نکل گئے۔ صدر جنگ تو ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہی نظر آ رہا تھا لیکن نینا ملاز میں کو تاکید کر کے گئی تھی کہ وہ ان پر نظر رکھیں....!

تہائی نصیب ہوتے ہی ذاکرہ داور عمران پر بر سر پڑے....  
”اوٹالائق اب یہ کس مصیبت میں پھنسا دیا..... ارے میں کوئی لوہار ہوں کہ بندوق بنانے پہنچوں گا۔“

”خدا کا شکردا ایکجھے کہ اتنی جلدی سرچھانے کو جگہ بھی مل گئی ہے.... جب تک جی چاہے مزے سے چھپے رہیے!“  
”مگر یہ بندوق....!“  
”مجھ پر چھوڑیے!“

”آخر تم اس سلسلہ میں کیا کرو گے....؟“  
”ارے تو وہ ایک دن میں تو بن نہ جائے گی۔“ عمران جھنجلا کر بولا۔ ”لکڑی کے ایک تختے پر بندوق کے کندھے کی ڈرائینگ کر کے آپ کو دے دوں گا۔ بیٹھنے رہتی سے گھسا کیجئے گا۔“

چند لمحے خاموش رہا پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”اور میں نال ڈھلواتا پھر دوں گا کم از کم دس

پندرہ دن تو گزری جائیں گے۔“

”مگر ہم والپس کیوں نہ چلیں.....“

”صرف میں..... آپ نہیں..... میں اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ آپ کو گولی مار دیں۔“

”میں فوج بلاؤں گا۔“

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ کو وہی کرنا پڑے گا!“..... عمران نے سخت لمحے میں کہا۔

## O

دھلتا کہرے کی نیند اچٹ گئی..... عجیب قسم کا بہکاسا شور کرنے میں گونج رہا تھا وہ بترے اچھل کر فرش پر آیا اور تیزی سے ایک الماری کی طرف جھپٹا۔ شور کی آوازیں اسی الماری سے آرہی تھیں..... یک بیک شور قسم کیا اور ہمگ بوكھلائے ہوئے انداز میں الماری سے فون کی طرف جھپٹا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ ماٹھ ٹیکس میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”یہلو..... ہیلو ڈیوٹی پر کون ہے..... اوہ..... راجن کو فوراً سمجھو..... فوراً جس حال میں بھی ہو!“

اب وہ رسیور کریٹل میں ڈال کر پھر الماری کی طرف مڑا اور اسے کھوں کر اس چھوٹے سے ٹرانسیٹر کا جائزہ لیئے لگا جس سے سرخ رنگ کی ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

”یہ تو..... نمیک ہے.....“ وہ زیر لب بڑو بڑا۔ پھر یچھے ہٹ کر مضطربانہ انداز میں سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بڑو بڑا۔ ”تو کیا..... سب کچھ جتابہ ہو گیا.....“

چند لمحے کمز الماری کی طرف گھوڑا تارہ پھر الماری بند کر کے اس میز کی طرف آیا جس پر ایک پوچھ اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں پیتھے کا ارادہ جلوتی کر کے چور دروازے کی طرف جھپٹا۔

تحوڑی ہی دیر بعد وہ محل کے باہر تھا.....! جنوبی افق میں آسان تاریک نظر آ رہا تھا۔ ”اوہ..... تو کیا چ ہے.....“ وہ غریباً اور مضطربانہ انداز میں ٹھیٹھے لگا۔ اس نے ریٹن ڈائیل ولی گھری دیکھی پائی تھی رہے تھے..... وہ ٹھیٹھا رہا۔

نیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک کار آ کر رکی اور ایک آدمی کو دکر باہر آیا۔

”راجن.....“ کیڑا جلدی سے اس طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”اچھجھ جتابہ ہو گیا۔“

”نہیں....!“ آنے والے کے لبھ میں حرمت تھی۔

”ہاں.... جاؤ دیکھو.... اور واپس آکر مجھے اطلاع دو....“

”م..... مگر.... جناب والا.... میں نے دھاکے کی آواز نہیں سنی.... جاگ عی رہا تھا۔“

”دھاکے....“ کبڑا مسکر لیا۔ ”ہمارے کام کچے نہیں ہوتے۔ وہ ظالم ہی ایسا تھا کہ دھاکے

کے بغیر ہی سب کچھ تباہ ہو جائے.... اب وہاں ٹیلوں کے بجائے پتوں کے ذمیر ہوں  
کے.... بس ایسا ہی لگتا ہو گا جیسے زمین پھٹی او جھل کا کچھ حصہ اس میں سا گیا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا.... مگر کیسے....؟“

”جاڈ....“ کبڑا ساتھ ہلا کر بولا۔ ”اور مجھے فون پر اطلاع دینا....!“

راجن واپس چلا گیا۔ ہمگ پھر اپنی خواب گاہ میں واپس آگیا۔ پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم

ہوئے کہ اس نے رات کوشب خوابی کا لباس پہنچا لانہ ہو۔ اب وہ کریم کلر کے سوٹ میں تھا۔

اس نے رانی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہلے تو پہلی سی دستک دی اور پھر کچھ دیر انظار

کرنے کے بعد سختی پر انگلی رکھ دی۔ اندر سے سختی کی تیز آواز آئی۔ ساتھ ہی رانی کی کراہ بھی

ٹائی تھی۔ پھر دروازہ کھلا۔

”اوہ.... ہمیں....!“ رانی کے لبھ میں حرمت تھی۔

”ہائے میرے خواب....!“ کبڑا گلٹیا۔

”ہو بھی! تم توڑا دیتے ہو....!“

”میں خواب میں دیکھ رہا تھا ذار لنگ.... کہ آنکھ کھل گئی....!“

”اوہ اندر آؤ....!“

”نہیں بس! میں تو صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا پا تھا تھا.... ویسے کیا اس وقت تم میرے

ساتھ با غم میں ٹہنپا پسند کرو گی؟“

”اوہ.... ہوں.... کیوں نہیں! اگر آج یہ غی بات کیوں؟“

”تم جانتی ہو کہ میری زندگی میں اگر ہر لمحہ کوئی غی بات نہ ہوتی رہے تو میں بور ہو کر مر

جواؤ گا۔“

”اوہ سمجھی! اچھا نہ ہو.... میں لباس تبدیل کر لوں۔“

ہمگ کرے میں نہیں گیا بہر ہی کھڑا ہو کر انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد رانی باہر آئی۔....

پھر جب وہ آگے بڑھ رہے تھے وہ خاتمہ کی خوابنگ کے فون کی سخنی بھی....!  
”میں ایک منٹ میں واپس آیا ذار النک....!“ ہمگ کرے کی طرف چھپتا ہوا بولا۔  
فون پر دوسری طرف سے راجن کی آواز سالی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ ”سب کچھ خاک میں مل  
گیا باس! وہاں اب کچھ بھی نہیں ہے....!“

”بس ختم!.... اسے بھول جاؤ!“ ہمگ نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ دونوں متعدد راہداریوں سے گزرتے ہوئے اسکی جگہ پہنچے جہاں رانی کو رک جانا پڑا۔  
کیونکہ ہمگ اپاٹک تحریر انہ انداز میں اچھل پا تھا۔  
”کیوں؟ کیا ہوا.... وہ بوکھلا کر بولی۔

”وہ دیکھو.... اس کرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے مغل کیا تھا۔“  
ہمگ نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

”کس کا کمرہ....؟“

” عمران کا....!“

”اوہ.... مگر....!“

”آؤ دیکھیں....“ ہمگ اسے اس کرے میں لایا جو بالکل خالی تھا۔  
”تم نے کرے کو مغل کیا تھا۔“ رانی نے اسے گھور کر کہا۔ ”تمہیں ہوش کہاں تھا میں نے تو  
تمہیں تمہارے کرے میں بھولایا تھا.... اور تم اس وقت یہ خبر سو رہے تھے۔“  
”تو پھر میں نے خواب دیکھا ہو گا.... مگر....!“

”ہاں۔ حرمت کی بات ہے.... کیونکہ کرہہ تم نے مغل کیا تھا۔“ رانی تشویش کن لمحے میں  
بولی۔ ”اگر واقعی نکل گیا تو بڑی بد نتیجی کا سامنا کرنا ہو گا۔“

”جہنم میں جائے.... اچھا خاصاً موڈ تباہ کر دیا مردود نے....“ ہمگ فریاد۔  
پھر محل میں چاروں طرف کھلیاں بجئے لگیں۔ گوشہ گوشہ چھان مارا گیا۔ لیکن انکا پاکی  
مہمان کہنی نہ ملا....!

”الیس۔ بی کو فون کرو....“ رانی نے ہمگ سے کہا۔  
”کر دیا جائے گا.... چلو.... فی الحال اپنی خواب گاہ میں چلو۔“ ہمگ بولا۔ پھر وہ اسے خوابنگ  
میں لایا اور دروازہ بند کر کے بولا۔

”اس گوئے میں کھڑی ہو جاؤ... اور مجھے ملدا گ بے پوکی طرح پکارو ڈار لنگ...!“  
”همیں... رانی اٹھلائی۔“

”نہیں... پکارو!“ ہمگ نے سماں کاری لی اور گھٹنوں کے مل زمین پر گرد پڑا۔  
اب وہ کتوں ہی کی طرح گھٹنوں اور ہستیلیوں کے مل چل رہا تھا۔  
”همیں... انھوں نہیں۔“ رانی پھر ٹھکی۔

”نہیں... مجھ سے میری سر تسلی نہ چھینو!“ ہمگ نے دردناک لمحے میں کھل۔ ”تم نہیں  
جانتیں، مجھے کتنا سکون ملتا ہے...“ جب تم مجھے بے پوکہ کر پکارتی ہو اور میں تمہارے گرد ناچنے  
لگتا ہوں... پکارو... پکارو... خدا کے لیے پکارو۔“

”بے پو...!“ رانی کی سر تسلی آواز کر رے میں گوئی اور ہمگ کسی سردی کھائے ہوئے پلے  
کی طرح چیاوں چیاوں کرتا ہوا اس کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

## O

رات کے کھانے پر ہرن کا گوشت تھا۔ آج انہوں نے دو شکار کئے تھے۔ کھانے کے بعد وہ  
کافی نوشی کے لیے لا بھری ی میں آئے جس کی الماریاں ایکشن سے بھر پور اسر کی ہادلوں سے بھری  
ہوئی تھیں۔

”اچھا... بچا جان...!“ عمران نے ڈاکٹر داور کی طرف ہاتھ اٹھا کر کھل۔ ”اب تم جاؤ ورنہ  
رات بھر خواب میں خرگوش مارتے پھر گے...“ کیا میں تماری پیشانی پر رخصتی یوسہ رسید کر  
دول...“

”ویری... گڑ...!“ صدر جنگ عمران کو تھیں آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تم  
میں ایک اول درجے کا کاؤ یوائے دیکھ رہا ہوں۔ وہ بھی باپ اور بچا سے دوستوں کی طرح پیش  
آتے ہیں...“

ڈاکٹر داور بوبدا تے چلے گئے... انہیں واقعی عمران کے اس بے شکے تھا طلب پر غصہ آگیا  
تھا۔ جیسے ہی انہوں نے لا بھری ی سے قدم نکالا... وہ سب اوچی آوازوں سے نہ پڑے۔ لیکن  
نینا خاموش رہی... عمران نے اس انداز میں گھوڑ کر دیکھا جیسے اس نے قہقہہ نہ لگا کہ عمران  
کی شان میں گستاخی کی ہو...!“

چھروہ سب بیٹھ گئے... اب عمران کا مرکز نظر شاہ اللہ شارٹی تھا۔

”تم مجھے کیوں مگور رہے ہو؟“ شارٹی فرش پر جو بار کر غریا۔

”مگور نے کی چیز ہو یہاں سے۔“ عمران کی آنکھوں میں شرارت ناق رہی تھی!

”کیا مطلب...؟“ شارٹی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”دھیرج! دھیرج!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں غلط نہیں کہہ رہا... امریکہ چلے جاؤ تو

نکٹ لگ جائے تم پر...؟“

”باس!“ وہ اپنی ہتھیلی پر گون سار کر گرد جلد ”میں نہیں برداشت کر سکتا۔“

”مت برداشت کرو۔“ صدر جنگ نے لاپرواں سے کہا۔

اب نینا کو عمران کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ شیخ شاہ اللہ شارٹی کسی ارنے سمجھنے کی طرح مضبوط اور عقل سے خالی ہے۔

عمران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں سے جان چھڑانا مشکل ہی ہو گا کیونکہ اس نے شارٹی کے اس روایہ پر صدر جنگ کی آنکھوں میں سرت آمیز چمک دیکھی تھی....

”لیکن!“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر حقارت آمیز لمحے میں کہا۔ ”یہاں جگہ ناکافی ہو گی۔“

”لان پر نکل چلو!“ صدر جنگ بولا۔ اس کی آواز میں سرت آمیز ارتھاٹش تھا۔

”اندھیرے میں...؟“ نینا نے ہانپتے ہوئے بات تائی کی کوشش کی۔

”ہارڈی...!“ صدر جنگ نے فتشی کرامت علی کو خاطب کیا۔ ”چار پیڑو میکس لیپ

روشن کراؤ... جلدی...!“

”مل،... لیکن باس!“ نینا بد حواس ہو کر بول پڑی۔ ”اگر یہ حضرت ٹوٹ پھوٹ گئے تو...“

”پھر بندوق...؟“

”پرواہ نہیں...“ صدر جنگ ہاتھ جنک کر بولا۔

”مر گئے تو ٹوٹ نے والے!“ عمران نے کسی شریر اور ضدی پیچے کی طرح کہا۔

ذرا ہی کی دیر بعد لان کا بڑا حصہ روشن ہو گیا۔ اس ہنگامے کی اطلاع ڈاکٹر داور کو بھی ہو

گئی تھی۔ وہ یوکھلائے ہوئے دوڑے آئے اور صدر جنگ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کا بھیجا

کریک ہے وہ اسے معاف کر دیں.... لیکن صدر جنگ نے گردن جنک دی۔

”ناممکن... شارٹی پاگل ہو جائے گا اگر وہ اپنی توہین کا بدلہ نہ لے سکے۔“

جب ڈاکٹر داور کو یقین ہو گیا کہ یہ آئی مل نہیں سکتی تو چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔ بھلا انبیاء اس طوفان بد تیزی سے کیا دچکی ہو سکتی تھی....

جیسے ہی وہ مقابل ہوئے۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اچھا بھائی شیخ شاہ اللہ شادی اگر کوئی ہاتھ ڈرازور سے پڑ جائے تو معاف کر دیتا۔۔۔ ویسے اگر تم مجھے ایک ہاتھ بھی بار سکے تو میں بھی تمہاری طرح سر منڈوا کر ڈالیں رکھ لوں گا۔۔۔“

شارثی اس پر شیر کی طرح دھاڑنے لگا تھا۔ نیناچھی خوف سے کانپ رہی تھی کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی کبی بار شارثی کے ہاتھوں دوسروں کی مرمت کا نظارہ کرچکی تھی۔۔۔ وہ ایک اچھا خاصہ مکاباز تھا۔

پھر مقابلہ شروع ہو گیا۔ شادی نے پہلی کی۔۔۔ یعنی عمران پر چھلانگ لگائی لیکن عمران نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بیان ہاتھ اس کے جزوے پر سید کر دیا اور پھر غرایا۔ ”نمبر ایک!۔۔۔“

شارثی بری طرح لڑکھڑا گیا مگر گرا نہیں کیونکہ وہ خود بھی کافی جاندار تھا۔ مقابلہ جاری رہا۔۔۔ شارثی بری طرح پتھارہ اور یہ حقیقت تھی کہ وہ بھی تک عمران کو ایک ہاتھ بھی نہیں مار سکتا تھا۔ نینا کی آنکھیں جیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ بری طرح ہانپر رہی تھی۔ آخر کار عمران نے آخری ہاتھ مقابلہ کی کنٹی پر سید کر دیا اور وہ کسی تعاور درخت کی طرح ڈیمپر ہو گیا۔

”بریو!“ صدر جنگ ہاتھ اٹھا کر چینا اور پھر چھلانگ لگا کر گرے ہوئے شادی پر جھک پڑا۔ اب وہ کتنی گن رہا تھا۔ ”ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔ چار۔۔۔“ لیکن شارثی ”وس“ پر بھی نہ اٹھ سکا۔ وہ بے چارہ توبے ہوش ہو چکا تھا۔

”بریو!۔۔۔“ صدر جنگ عمران کا ہاتھ اڑ پڑا اٹھاتا ہوا غرایا۔۔۔ ”ابے تم مستری ہو؟“ ”بھی ہاں۔۔۔ اور آدمیوں کی مرمت کا اپیشٹلٹ!“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا!۔۔۔

”آج رات پھر جشن ہو گا۔۔۔ ہاہاہا!“ صدر جنگ نے قہقهہ لگایا۔ پھر عمران کی پیٹھ پر ٹھونکتا ہوا بولنا۔۔۔ ”لڑکے میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں اوه۔۔۔ ہوائے۔۔۔ مائی ہوائے۔۔۔“ اور پھر جشن میں شاہ اللہ شادی بھی شریک ہو۔ لیکن وہ زبردستی خود کو سنجالے رکھنے کی

کو شش کر رہا تھا.... اور اس کی آنکھوں سے کیس توڑی جھلک رہی تھی۔

جشن کیا تھا اچھا خاصا طوفان بد تمیزی تھا.... صدر جنگ کے طاز مٹی باور بھی خانے سے خالی کفتر اخلاقی تھے اور انہیں پیٹ پیٹ کرائے سیدھے گیت کاری ہے تھے.... ایک بیگروں کے سے انداز میں ناج بھی رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ ہگامہ ختم ہوا اور کافی کادور چلتے لگا.... اسی دوران میں عمران نے شیخ شاہ اللہ شارفی کو آنکھ مار دی۔

”ابے تو کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟“ وہ دانت میں کر چین۔

”کیا بات ہے؟“ صدر جنگ چونک پڑا۔

”آنکھ مارتا ہے باس....!“

صدر جنگ نے تھبہ لگایا اور دیر تک ہستارہ دوہرے بھی نہیں رہے تھے۔

”لڑکے میرے آدمیوں میں شامل ہونا پسند کرو گے۔“ کچھ دیر بعد اس نے عمران سے پوچھا۔

”یاس!“ نیما عمران کے جواب سے پہلے ہی بول پڑی۔ ”ہم نہیں جانتے یہ کون ہے؟“

”مکو اس!“ وہ اتحہ جھنک کر بولا۔ ”یہ بھی نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں؟“

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”لیا مطلب....!“ صدر جنگ نیز پہا تھ مار کر اس کی طرف ہوا۔

”اگر میں نہ جانتا ہو تو کہ یہ کتنی بڑی سر کار ہے....!“

”چالیسوی نہیں....!“ صدر جنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہمیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ آج تک

کوئی بھروسی نہیں سکا کہ ہم کیا ہیں....!“

”لوکے میئے!“ نیما نے دل میں کہا اور عمران بولا۔ ”میں آپ کو سمجھنے کی کو شش کروں گا۔

وعدہ کرتا ہوں... باس آپ اس قابل ہیں کہ ساری دنیا میں آپ کی شہرت ہو جائے... اور یہ

ممکن ہے....!“

”وہ کس طرح....؟“ صدر جنگ نے پر اشتیاق لجھے میں پوچھا۔

”بڑی آسانی سے!“ عمران نے شیخ شاہ اللہ شارفی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی طرف

ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ایسے ایسے نادر الوجود کا ذہب یا نیپال رکے ہیں آپ نے بھلا کیے۔ کس دن کام آئیں

گے....!“

”پھر مجھ سے بولا....“ شاء اللہ شارٹی چکھاڑا۔

”چپ بنے خاموشی سے سن....“ صدر جنگ اس پر الٹ پڑا.... چند لمحے خونخوار نظر وہ سے اسے گور تارہ پھر عمران سے بولا۔ ”بیلان جاری رہے۔“

”پلشی!“ عمران متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہ ایتم کا زمانہ ہے.... وہ زمانہ گزر گیا جب شہرت لوگوں کے پیچھے دوڑتی تھی.... اب شہرت کے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر مس طمیخے جان اگر فلموں میں کام نہ کرنے لگتیں تو بھلا نہیں کون جانتا۔ بس اپنے ذمیرے پر ہی ٹھمک ٹھمک کیا کرتیں....“

”مگر ہم اپنی پلشی کس طرح کرائیں....“

”یہ رہی آپ کی پلشی!....“ عمران نے شاء اللہ شارٹی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ جو اس وقت ایک ہاتھ سے ڈاڑھی سہلا رہا تھا اور دوسرا ہاتھ سے منڈے ہوئے سر پر چپی کر رہا تھا۔ ”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ وہ دونوں ہاتھ میز پر قیچ کر بولا۔

”میں اس کے لیے بھی تیار ہوں.... کیوں باس.... چلیں لان پر۔“ عمران نے صدر جنگ سے پوچھا۔

”نہیں پہلے پلشی کا طریقہ بتاؤ....“

عمران خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ اس کے چہرے پر حماقت کے آثار نہیں تھے اس وقت وہ ایک شوخ اور کھلنڈر اڑکا معلوم ہو رہا تھا۔

”حیرت انگیز چیزیں بہت جلد مشہور ہو جاتی ہیں۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ”مثال کے طور پر ایک سڑک سے روزانہ ہزاروں آدمی گزرتے ہیں لیکن کوئی ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا.... اچھا فرض کیجئے آپ کی نظر سے کوئی ایسا آدمی گزرے جو بہترین سوت پہنچے اور گلے میں پھٹے پرانے جو توں کا ہار لٹکانے سڑک سے گزرتے... تو اس کا کیا حال ہو گا... بھیڑ گک جائے گی تا۔“

”ابے کیوں میری مٹی پلید کرائے گا.... حرامزادے....!“ شارٹی اپنا سینہ پیٹ کر دھاڑا۔

”دھک دے کر باہر نکلوادوں گا۔“ صدر جنگ غریل۔ ”تم خاموش کیوں نہیں رہتے۔“

نینا بے تحاشہ نہ رہی اور عمران شدت سے سجدہ نظر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد جب صدر جنگ پھر جواب طلب نظر وہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ہدی عاجزی سے کہا۔ ”میں اب کچھ نہ کہوں گا۔“

”نمیں کہنا پڑے گا...“ صدر جنگل نے اپنے ہاتھ مار کر غریلہ پر کاڑیوائے سوت ہوا اور گردان میں ڈھولک لکھ رہی ہو۔“ اسی حالت میں کہ جنم

خدا ہمارے تھا شیخ شاہ اللہ شاذی کی تصویر اخباروں میں چھپی چاہئے۔ اسی حالت میں کہ جنم چھپے دو کتنے آپس میں لٹڑ پڑے ہوں... عالم اسے اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ انہوں خیال کے لیے الفاظ ای نہیں مل رہے تھے...!

”کیا بات ہوئی....!“ صدر جنگ آجھیں نکال کر غریلہ ”حدا مسحک لڑانا چاہتے ہو؟“

”سر کار....!“ عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔“ پوری بات سن لیجئے ہو کچھ کہہ رہا ہوں اس کے لیے دلائل بھی رکھتا ہوں۔“

”بکو... لیکن اکر مجھے مطمین ش کر سکے تو کمال کھینچوں گا...؟“

”میری کمال کے نہانہ سیندل نہیں سبک روپوں کے... لیکن خیر... ہاں تو میں گزارش کر رہا تھا۔ لیکن مخبر ہے! اپنے ہی عرض کر چکا ہوں کہ مجیب و غریب چیزیں جلا بوجہ ہوئی چیز اور ہمیشہ ذہنوں سے چکل رہتی ہیں... اس ڈھولک والی تصویر کے نیچے لکھا ہونا چاہئے کہ یہ نواب صدر جنگ بہادر نے ایک ایسے ٹکاری کی تصویر ہے جو حیرت انگیز طور پر تھا شیر کا ڈھنڈ کر تھا ہے یعنی ڈھولک سجا جا کر خود ہی ہانکا کرتا ہے اور پھر شیر کو گولی بھی خود ہی مار دیتا ہے... چنان پر کبھی نہیں بیٹھتا... لیکن شیر کو مار دینے کے بعد نہ جانے کیوں کتوں کی طرح بھوکھنے لگتا ہے... تمہلکہ مجھے جائے گا ساری ادیاں میں ذرا میری تھا ویرپر عمل کر کے تو دیکھئے“

صدر جنگ چند لمحے سوچتا ہا پھر بے تماشہ ہنسنے لگا۔

”بہترین قفرع...!“ وہ اپنے قہقہوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”واقعی ہم خوش ہوئے... ایسا ہی ہو گا... اودہ بوائے... اودہ بوائے... تم آج سے جوارے عزیز ترین ساتھی ہو...!“

پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اس کی نگہ دنیا کے چہرے پر جم کر رہی تھی اور شاذی قبر آلوں نظروں سے عمران کو گھونسے جا رہا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر دھنٹا صدر جنگ بولا۔ ”لیکن تم میری سیکرٹری سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے سمجھے... جوان آدمی...“

”ان سے عشق کر دوں گا....!“ عمران نے خداوت آمیز لمحے میں کہا۔ ابھی ان کی عمری کیا ہے.... ارسے جتاب! استر ستر سال کی بوڑھیاں پیچھے گئی رہتی ہیں مگر میں کسی کو لفٹ نہیں دھرتا۔ ویسے مجھے اپنی بکری کے علاوہ آج تک کسی اور سے عشق نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ صحیح شام ڈھانی سیر دودھ و دیقی ہے الحمد للہ۔“

نینا شرم اور جھاہٹ کے ملے جملے اثرات کے تحت یوکھلا کر اٹھی اور تیزی سے ہال بے نکل گئی۔ یہ ہنگامہ ایک بجے رات سے زیادہ نہ رہ سکا کیونکہ صدر جنگ دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ ویسے عمران تو یہی سمجھا تھا کہ ”رات بھر جشن“ والی دھمکی کو عملی جامد ضرور پہنایا جائے گا.... اس نے بھی اطمینان کا سائنس لیا اور اس کمرے میں چلا آیا جوان ”چچا پیچھے“ کوش ببری کے لیے ملا تھا۔ ڈاکٹر داور جو بے چینی سے ٹھل رہے تھے۔ عمران کو دیکھ کر رک گئے۔ چند لمحے عمران کو گھورتے رہے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”یہ کس جنگاں میں پھنس لیا تم نے۔ اب یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو گی مگر کیوں؟ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم خود یہاں اٹھے رہنا چاہتے ہو۔“ ”آج کل میرا دماغ قابو میں نہیں.... یہ تو آپ چانتے ہی ہیں۔“ عمران مسکرایا۔ ”مجھے یقین نہیں....“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر عمران پیٹنگ پر ڈھیر ہوتا ہوا بولا۔....“ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟“ ”ہمیں والہیں چلتا چاہتے....“ ڈاکٹر داور متذکر انداز میں بولے۔ ”پھر یہ بیک چوک کر عمران سے پوچھ بیٹھے۔ ”وہاں تمہیں کون لایا تھا؟“

”کیا آپ بھی میرے اسی سوال کا جواب دے سکتے گے؟“ عمران نے پوچھا۔ ”میں نہیں جانتا ایک رات سکون سے سویا ہوا تھا۔ آگئے کھلی تو اس تہہ خانے میں تھا میرے خدا.... لیکن تم کیسے ان لوگوں کے بھتھ لگتے تھے؟“

”میں بھی نہیں جانتا۔ رانی ساجد گفر کے محل میں سویا تھا.... جھونپڑوں کے خواب دیکھ رہا تھا کہ کسی نے غلطی سے اس مقبرے میں پہنچا دیا۔“

”رانی ساجد گفر کے محل میں۔“ ڈاکٹر داور نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ پوچھتا چاہتے تھے کہ عمران بول پڑا۔ ”اس دوران بھی کسی کبڑے سے بھی ملاقات ہوئی تھی مطلب یہ کہ اس تہہ خانے میں پہنچنے سے پہلے یا بعد میں۔“

”نہیں..... بھی..... نہیں.... کیوں؟“

”پکھ نہیں....“ عمران کی سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی ویر خاموش رہا۔ پھر سر اٹھا کر پوچھا جائے۔

”آپ کا دوہ بھی نہیں کوپکر کیا ہے جس سے آپ نے بے آدا لایا۔ میں کی تھوڑی بیلی تھیں؟“

”مختواز ہے.... تم اس کی فکر نہ کرو.... وہ لوگ مجھے تہہ خانے میں قید کروئیں کے باوجود

بھی اس کے حقیقی کچھ نہ اگھا سکے۔“ ڈاکٹر دھورنے خیریہ بجھ میں کہا۔

”ہم....!“ عمران دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”اکی خلا کار بدلے کی طرح مختواز ہو گا جسے

تمری سیاہ مسلسل بیٹھا لے گئی تھی....!“

”اوہ....!“ ڈاکٹر دھورنے بھلے رک گئے ان کے چہرے پر سر ایسکی کے آثار تھے۔

”بھر بیٹھ... میں کیا کروں؟“ وہ بھراں ہوئی آواز میں بولے۔

”تو پنی بھلی فرستت میں مجھے اس جگہ کا پہاڑتا یے جہاں آپ نے چھپا ہے۔“

”آپ روپیری تھی میں ایک جگہ...“

عمران اس طرح کراچی سے کسی نے اس کے سر پر ڈنڈا اور سید کر دیا ہو۔

”کیوں کیا بات ہے....?“ ڈاکٹر دھورنے بول کھلا گئے۔

”جو لوگ آپ کو غائب کر سکتے ہیں.... کیا وہ اسے تلاش نہ کر سکیں گے؟ ہو سکتا ہے کہ

انہوں نے اطمینان سے تلاش جاری رکھنے ہی کے لیے آپ کو وہاں سے ہٹالیا ہو۔“

”دھنعتا کسی نے دروازے پر دھنک دی۔“

”کون....؟“ ڈاکٹر دھورنے چوک پڑے۔

”دروازہ کھولو۔“ باہر سے آواز آئی۔

عمران خود اٹھا اور ڈاکٹر دھورنے کو بیٹھ جانے کا اشارہ کرتا ہو اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

پاہر سے دھنک دینے والا منتظر کرامت علی ہڈڑوی تھا وہ ان دونوں کو گھوڑا ہوا کر کے میں

داخل ہو۔ یہ ایک کم خن آدمی تھا لیکن اس وقت ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی آتش فشاں ہی کی

طرح پھٹ پڑے گا۔

”تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو؟“ وہ عمران کی طرف مکاتبان کر دیا۔

”کیا بات ہے پیارے... کیوں خفا ہو رہے ہو؟“ عمران سکرا کر بولا۔

”میں تمہیں کوئی مار دوں گا.... لفٹگے ہو تم.... بد معاش.... آوارہ.... میرے باس کے

ساتھ کسی قسم کا فراؤ کرو گے۔ تم لوگ مستری نہیں ہو۔“ پھر ایک سال سے آج تک بالا مگر

اور ساجد گھر کے درمیان شریف کا کوئی حادث نہیں ہوا۔“

”تمہیں یہ اطلاع اپنے بار کوئی دینا چاہئے تھی۔ بھلانگھے ہٹانے سے کیا فائدہ؟“ عمران نے لارڈ والی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اُب وہ کسی کی کچھ نہیں سنیں گے.... تم کپکے چالباز اور مکار ہو! وہ کہتے ہیں کچھ بھی ہو۔“ میں اس نوجوان سے دلکش ہونا پسند نہ کروں گا....!“

”خیلنڈ آدمی ہیں۔“ عمران نے سر ہلایا۔

”اُرے... اور ہر دن کیوں!“ مشی کرامت علی ہارڈی پھر اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”اگر تم نے

ہم لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو اچھا نہ ہو گا۔“

”کیا تم لوگوں میں وہ لڑکی بھی شامل ہے۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔ پہلے تو کرامت علی ہارڈی کچھ نہ سمجھا لیکن پھر جب اس طور کا گیلا پینڈھن کے کسی گوشے سے گلریا تو وہ بے تحاشہ عمران پر چھپت پڑا۔

”جناب۔ جناب....!“ ڈاکٹر داور دنوں کے درمیان حائل ہوتے ہوئے گزگزاری سے

”تم بہت جاؤ بڑے میاں....!“ کرامت علی ہارڈی انہیں ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

لیکن وہ بھی بھاری جسم کے آدمی تھے۔

”آپ سنئے تو کسی....!“ ڈاکٹر داور نے پھر لجاجت سے کہا۔

”اوودوست....!“ دفتار عمران مشی کرامت علی ہارڈی کا تھوک کر کر بولا۔ ”ہم کہیں اللہ

پل کر سمجھ بوجھ لیں....“ پھر ڈاکٹر داور سے کہا۔ ”چنان آپ میں میں جھیوس میں ابھی واپس آ جاؤں گے....!“

”دonoں کمرے سے نکل کر پورچھ میں آئے.... بھال ہو ملاز میں اس وقت چوکیداری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

”جلاء....“ کرامت علی ہارڈی پاتھک بلا کر ان سے بول۔ ”ہم یہاں کچھ مختکوں کرنا چاہتے ہیں۔ تم نے رکھوں کے کتے کھولی دیئے ہیں یا نہیں....?“

”دونوں چوکیدار ایاث میں جواب دے کر ہمیں سے چلے گئے۔

”سنو چالاک آدمی!“ کرامت علی ہارڈی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اُبھی ہمارے ہاتھ میں ایک کارڈ باتی ہے.... ہم تمہیں جنم میں پہنچا دیں گے....!“

”و کون ساکھدا ہے بیارے مشی جی؟“

”م بھی ہم نے ایک خام بات کی طرف بان کی توجہ نہیں دلائی....!“

”ید وہ خام بات بھی جلدی سے تباہ کرو...“ عمران نے مخصوصاً اندر نہیں کھل کر غشی کرامت علی ہدودی کا حصہ انتہائی حدود پر تجھے لگا۔

”تم دونوں بھی ان معلوم آدمیوں سے قلع رکھے ہو جو ہم سعی کوئی خلل کرائیا جاتے ہیں۔ جہاں میں نے اس طرف توجہ دلائی تھا میں کمال سمجھا ای جائے گی۔ سمجھے! اور مجھے یقین ہے کہ تم دونوں انھیں میں سے ہو۔“

”مردانے ناچک طول دسافس کی اور غشی کرامت علی سے ایک ذہری تھبھے کے بعد کہد لیکن میں تم جیسے صیر آدمیوں پر ایک احسان کرنے کا ہتا ہوں।“

”تو ہو... تو احسان کرنے سے پہلے اس کی فرمیت بھی تاجلا جو...“

”جلو... جتنی جلدی ہو سکے بیان سے چلے جاؤ... کیونکہ آج کل میں لا شین دیکھنے اور انہیں دفن کرنے کے موذیں نہیں ہوں...“ تم دونوں سمجھیں کہن دفن کردیئے جاؤ کے اور کسی کو کوئی کلان خبر نہ ہو گی۔

”تمہرے بپ رے...“ ”مردانہ خوفزدہ اندر اٹھی لرزتے تھے...“

”غشی کرامت علی ہدودی نے پھر تھبھے لگایا...“

”تھے غشی جی...! اے غشی جی رحم کرو مددے مال پر“ ”مردانہ لڑکا“ مکان پکڑتا ہوں کہ اب تم دونوں سے نہیں الجھوں گو۔“

”تھوڑو سری بات...“ ”غشی کرامت علی ہدودی لاپرواہی سے بولا۔“ یہ بھی ممکن ہے کہ شادی جھیں گولی مددے... وہ بڑا کینہ تو ز آدی ہے۔“

”پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“ ”مردانہ نے بڑے سعادت مندانہ اندر اٹھی پوچھا۔

”بھاگ جاؤ... جتنی جلد ممکن ہو سکے... میں اس پوری بھیڑ میں سب سے زیادہ شریف آدی ہوں...“

”مگر اس وقت رات کو...“

”صح کو کسی!“ ”کرامت علی سر ہلا کر بولا۔“

”مردانہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندر سے ایک صحیح نتائی دی۔“ مگر ایسا ہوا معلوم ہونے کا جیسے کچھ

آدمیوں نے آپس میں دھینگا مشتی شروع کر دی ہو۔

”اوہ.... تو پھر وہی....“ کرامت علی کہتا ہوا صدر دروازے کی طرف چھٹا۔  
نہ جانے کیوں عمران محسوس کر رہا تھا جیسے وہ جیجی ڈاکٹر دا اکٹر داور کی رہی ہو..... وہ بھی کرامت علی  
کے پیچے چھٹا۔ اندر اندر چھر اخاور ہاتھ پائی کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ دفعتاً کسی گوشے سے  
صدر جنگ کی گردانہ آواز اکٹری۔

”خبردار... گولی مار دوں گا.... جو جہاں ہے وہیں نہ ہے....!“

”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ عمران نے ہاٹک لگائی۔

”آن ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ عمران نے پھر صدر جنگ کی گرج سکنے  
چاروں طرف اندر چھرا تھا۔ کسی کمرے میں روشنی نہیں تھی سارے پیروں بیکھ لپیس بجھ  
پڑے تھے....!

شور اب بھی جاری تھا۔ کچھ دیر بعد اپنی کنی ٹارچوں کی روشنیاں اندر چڑوں میں چکرانے  
لگیں اور پھر شاگرد پیشے سے کچھ لاٹھنیں بھی آگئیں۔

لیکن ہنگے کی نوعیت عمران کی سمجھ میں نہ آگئی۔ کیونکہ وہاں صدر جنگ کے طاز میں کے  
علاوہ اور کوئی نہ دھکائی دیا۔ اور شاید انہیں بھی کسی کی خلاش تھی۔ ایک ایک کرہ دیکھتے پھر رہے  
تھے۔ عمران اپنے کمرے کی طرف چھٹا۔ لیکن وہ خالی مٹا۔ ڈاکٹر داور کا کھلی پتہ نہ تھا۔

”چھا جان!“ اس نے حلتوں پھاڑ کر آواز دی۔ پھر بوكھلانے ہوئے انداز میں پکارتا ہی چلا گیا۔

”خاموش رہو....“ پشت پر صدر جنگ کی دہڑتائی دی۔

”س... سر کار... چھا جان...“ عمران ہکلا کرہ گیا۔

”وہ کہاں ہے....؟“

”پ... پتہ نہیں! میں کیا کروں؟“ عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔  
پھر ڈاکٹر داور کی خلاش شروع ہو گئی۔ کچھ لوگ باہر نکل کر سڑک کی جانب بھی دوڑتے چلے  
گئے لیکن ڈاکٹر داور کا سراغ تسلیم کا۔

عمران نے ان کے کمرے میں خاصی احتیاطی پائی تھی.... دونوں سسیاں اپنی جگہ سے سکھی  
ہوئی نظر آرہی تھیں اور ان کے درمیان چھوٹی میز الٹی پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ سب پھر ہاں میں نظر آئے.... اب پوری کوٹھی روشن تھی۔ صدر جنگ

عمران کو خونخوار نکلوں سے گھور رہا تھا۔ دھنیاں نے کسی حم کا اشادہ کیا اور اس کے دونوں مصاہدیں کے روپ میں ہو لشکروں سے پاہر نکل آئے۔

"کف ہتاو؟" صدر جنگ اتحادی سرد لچک میں بولا۔ "تم ہر حال میں امکو گے۔"

"میں بھاگتا ہوں! عربان نے تھیڈ کڑ اور اُنہیں پلکش جھپکائیں۔۔۔۔۔ وہ کبھی اسے کڑے تھوڑوں سے گھوڑے تھے۔۔۔۔۔

عمران کو ان سب کے چہروں پر خونخواری نظر آئی۔ اسی نے کچھ دیر قل مخفی کرامت علی ہدودی کے سے کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق ساتھا کہ جو صدر جنگ سے یہ کوشی خالی کرنا چاہتے تھے وہ سوچنے لا کر کہ کہیں صدر جنگ کے وہیں میں بھی انہیں دونوں کے خلاف شہباد ہر دن ابھاریں کیوں نکل دو؟ دونوں پر ہمراز حملات ہی کے تحت وہیں تک پہنچنے تھے۔ اسی صورت میں ان پر شہر کیا جانا لازمی تھا..... لیکن ڈاکٹر داور....! عمران کی سمجھ میں نہیں آرہتا کہ اسے کیا کرنا چاہتے چاروں طرف کھڑے ہوئے آدمیوں کے ہاتھوں میں روپا لور تھے اور ان کی نالیں اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اپنی جگہ سے جبکش بھی کرنا تو سارا جسم چھٹی ہو کر زہ جاتا اور مخفی کرامت علی ہدودی کو (مودی میں نہ ہونے کے باوجود بھی) وہاں ایک نئی قبر کھودنی پڑتی۔

”س سرکار... بنیے تو کہی! میرے بچا جان...“ عمران پھر خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔

”میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔“ صدر جگ غریلک ”تم فی الحال میرے سوالوں کا دو۔“

اتھے میں نینا باہر جانے کے لیے مڑی اور جب وہ ہال سے باہر نکل گئی تو عمران نے ایک چھٹ دھکاف تھبہ لگایا۔

”کیا بے ہودگی ہے؟“ صدر جنگ وہاڑا۔

“سر کار!“ عمران پک بیک سمجھیدہ ہو کر بولا۔ “اس لڑکی کی پتوں توڈھیلی ہی کراہ بجھتے۔“

**میا مطلب...؟**

”بائلک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جسے دو تربوز آہمیں میں لٹتے جھگرتے پلے جا رہے ہوں۔۔۔۔۔“

عاصم جیمن اور ملادہ میں پاٹھوں میں منہ دبائے ہوئے دوسرا طرف ہرگز۔ لیکن ”کھی کھی کھی“ کی آوازیں تو سی عی جا سکتیں تھیں.....

اب صدر جنگ اسے تحریر نہ نظر دیں سمجھیں بھی سنبل گئے لیکن ان کے پرہوں پر بناوی سنجیدگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پھوپھان کے تصور ہی کی بناء پر دوبارہ پڑیں گے۔

دفعہ صدر جنگ نے تحریر لجھ میں آہستہ سے پوچھا ”لے کے تم خوفزدہ نہیں ہو...؟“  
”ہرگز نہیں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”پتوں تو کیا توپ بھی مجھے ختم نہ کر سکے گی۔  
میری موت تو صرف ایک فریب سے آسکتی ہے...“  
”وہ کیا...؟“

”باس یہ نہیں پاتوں میں الجھائی رکھنا چاہتا ہے۔“ شاه اللہ شادی بول پڑا۔  
”تم بکواس بند کرو... ہمارا کوئی کچھ نہیں پکار سکتا۔“ صدر جنگ جلاہست میں دونوں ہاتھ جھکتا ہوا غریل پھر عمران سے بولا۔ ”ہاں تو تمہاری موت کس ذریعے سے آسے گی۔ مجھے بھی متلو...!“

”کسی چچپی اور لڑاکی عورت سے میری شادی کراؤ جیجے... انشاء اللہ ہیں ہی جھڑپ میں میں اللہ کو پیارا ہو جاؤں گا۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔  
صدر جنگ ہٹنے لگا۔

”باس...!“ فٹی کرامت علی ہارڈی نے کچھ کہنا چاہا۔  
”شٹ اپ! میں کچھ نہیں سننا چاہتا... جاؤ تم سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور بوزے سے آدمی کو تلاش کرو۔“

وہ سب طوعاً کہا دہاں سے چلے گئے۔ نینا پسلے ہی جاہک تھی۔ عمران اور صدر جنگ تھارو گئے  
”بیٹھ جاؤ!“ صدر جنگ نے عمران کا شانہ تھکنے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے کسی قدر لختند بھی  
معلوم ہوتے ہو... بیٹھو... میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

عمران بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ڈاکٹر داور کے لیے زیادہ مضطرب تھا اسے یقین تھا کہ وہ پھر انہی لوگوں کے ہاتھ میں جاپڑے ہیں جن سے انہیں حرمت انگیز حالات کے تحت چھکھدا الغیب ہوا تھا  
”تم کوئی بھی ہو!“ صدر جنگ کچھ دیر بعد بولا۔ ”لیکن وہ ہرگز نہیں ہو سکتے جو ہم سمجھتے ہیں۔“  
”میں نہیں جانتا کہ آپ نے ہم لوگوں کے متعلق کیا سوچا تھا...“ عمران نے مایوسانہ انداز  
میں سر ہلا کر کہا۔ ”اور اس وقت اس ہنگائے کامقعد بھی میری کچھ میں نہیں آسکا۔“

"میں اسی کے متعلق تم سے گفتگو کرنا پڑتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری بھی وجد ہے میں معاملات کی وجہ سے تکمیل کے قابل ہو سکوں گا۔"....."

عمران خاصو شیر پر رہ۔ وہ پاہنچا کر صور جنگ گفتگو کو طول بخواست سکے۔  
کچھ دیر نہ ہوش رہ کر صور جنگ خود ہی بولا۔ "تم نے میکی کہا تو ہاکر اگر تم یہاں رک گئے تو ساجد گھر کی لکھا جھیں ترددتی پکڑ دائے گی۔".....

"جی ہاں اسیں اوسیکی خیال قہا؟" عمران خیالات میں ڈوبا ہوا اپنے جانیا۔

"بس تو پھر یہ واقعی ہے... اسی کے آدمی یہاں ہڑبوگ چلا کرتے ہیں۔" صور جنگ اٹھ کر ٹھہرا ہوا کہنے لگا۔ "اب میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"لیکن وہ یہاں ہڑبوگ کیوں چلتے ہیں؟" عمران نے پوچھا۔  
"یہی تو معلوم کرنا ہے... اس وقت تمہارے پیچا کے مقابلہ ہو جانے سے میکی میلت ہوتا ہے کہ وہ ساجد گھر کے ہی آدمی ہیں۔ میں تقریباً ایک سال سے پریلان ہوں۔ ان میں سے ایک بھی آج تک ہاتھ نہیں آسکا۔ مگر سنو لڑکے امیں کس طرح یقین کر لوں کہ تم بھی یہیں میں سے نہیں ہو۔"

"آپ کو یقین دلانے کی کیا صورت ہے گی؟" کرمان تسلیم اللہ اعلیٰ الائمہ پوچھا۔  
وقدماں پر دھکے کی آواز آئی اور سونوں یہ ساخت اچھل پڑے۔

## O

رات کے دو بجے سے تھے روشنی رفی صاحب کے گل کے ایک کمرے میں بے خبر سوری تھی۔ ٹانکیاں کسی حرم کی اولادی تھیں جس نے اسے جگھنیا تھا۔ فور پر ہمایا محسوس ہوا جیسے سدا جنم سن ہو کر رہ گیا۔ ..... ہاتھ چڑھانے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔ ..... وہ کچھ دیر اندر جرے میں گھوڑتی رہی۔ پھر کسی طرح واقعی کروٹ بدلتے میں کامیب ہوئی تھی کہ اولاد و بارہ نسلی دی کوئی خوابیکہ کا دروازہ بیٹھ رہا تھا۔

وہ تغیر رہ گئی۔ ..... یہاں اس حرم کی کوئی حرکت اس کے لیے قلیلی تھی۔ پہلے کبھی اس کی خوابیکہ کا دروازہ اس طرح نہیں کھلکھلایا کیا تھا۔ اسی اور سوچ کی آن کر کے کمرے میں روشنی کردی۔ دروازہ پھر کھلکھلایا کیا۔

”کون ہے؟“ روشنی نے دبی دبی سی آواز میں پوچھا۔

”دنیا کا عظیم ترین آدمی۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”دروازہ کھولو۔“

آواز روشنی کے لپے نہیں تھی... بھلا دھمک دی گئی تھی کے حکم کی قیل بے چون و چرا کیوں نہ کرتی، ماں کی بھی تھا۔ اس نے جھپٹ کر سلپیگ کاؤن پہننا اور آگے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ ہمگ جھومنتا ہو اندرون اغل ہوا اور مسمری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”آداب بجالاتی ہوں!.... یورہائی نس۔“ روشنی نے بوکھلائے ہوئے اندازوں میں مز کر کھا۔

”مجھے یورہائی نس کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو۔“ اس نے نرم لمحہ میں کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتیں کہ لوگ مجھے یور ایڈی یون کر سکی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں؟“

”میں اسکی گستاخی نہیں کر سکتی جتاب!“

”اوہ گستاخی!“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ ”کیش پادر کھوئیں دنیا کا عظیم ترین اور ذلیل ترین آدمی ہوں۔ تم اس وقت مجھے عظیم نہ سمجھو... میں اس وقت عظیم ضرور تھا جب میں نے تمہارے دروازے پر دھنک دی تھی!...“

”تفیریف رکھئے... یور ایڈی یون کر سکی!“ روشنی نے کر سی پر جھک کر کھا۔

”بیکنیا... میں اسی لے آیا ہوں۔“ کبڑا کر سی پر ڈھیر ہوتا ہوا مسکرایا۔

روشنی ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

”یہاں میرے قریب کری لاؤ...“ اس نے کچھ دیر بعد در دنک آواز میں کہا۔

”مم... میں؟“ روشنی ہکھاتی۔

”ڈر و نہیں! میں ایک ہتھی کبرا آدمی ہوں... ایسا کہ اگر کسی سڑک پر تم مجھے مل جاتیں اور میں اس طرح پیش آتا تو تم مجھے ٹھوکروں سے لا کر دکھو دیتیں...“

روشنی صرف ہوتلوں پر زبان پھیر کر رہی گئی کچھ بولی نہیں۔ کبڑا شراحت آمیز تھم کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا رہا پھر بولا۔ ”تم بہت چالاک ہو!“

روشنی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

وفتحا کبڑے نے قہقہہ لگایا اور کر سی سے اٹھ کر ٹکٹکنے لگا۔ روشنی کی ابھسن بڑھتی رہی۔ وہ سوچ ربی تھی کہ اس نے عمران ہی کی ہدایت پر نہ صرف وہاں طازمت اختیار کی تھی بلکہ ان لوگوں کی نظرؤں میں عمران سے قطعی بے قلعہ نہیں رہی تھی اس وقت کبڑے کے تیور سے اس نے بھی

محسوس کیا تھا میںے وہ ان دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں لیکن وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی کہ کبڑا پوچھ بیٹھا۔

” عمران کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟“

”جی کس کے متعلق.....“ روشنی نے چوک کر سوال کیا۔

” عمران کے متعلق۔“ کبڑا اس کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

”اوہ.... وہ پاگل!“ روشنی نہیں پڑی۔ اپنی دلست میں وہ عمران کے متعلق لا علی ظاہر کرنے کی بڑی اچھی لا اکاری کر رہی تھی۔

”کیا وہ حقیقت پاگل ہے....؟“ کبڑے نے پوچھا اور روشنی بہت زیادہ تحریر نظر آنے لگی....!

” بھلا میں کیا بتا سکوں گی سر کار....!“

کبڑا سمجھیدہ ہو گیا....!

” کیا تم اس کے ساتھ نہیں رہتی تھیں....؟“

روشنی نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھی گئی تھی کہ کبڑا اس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔ لہذا اب عمران سے قسمی بے تعقی خاہر کرنا مناسب نہیں۔

” مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے ساتھ بہت دونوں نکل رہی ہوں!“ اس نے تھوڑی دری

بعد کہا۔ ” پھر ہماری لاوائی ہو گئی تھی عرصہ ہوا اس کے فیٹ کی رہائش ترک کر چکی ہوں۔“

” میں تم سے اس کے پاگل بنتا کے متعلق پوچھ رہا تھا....!“

” مجھے تو وہ ہمیشہ ہی سے پاگل معلوم ہوتا رہا ہے.... حقیقت وہ کیا ہے؟ میں نہیں جانتی....“

” تمہیں یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟“

” کسی نے بھی نہیں....“ روشنی نے تحریر انداز میں کہا۔ ” بھلا مشورہ کون دیتا... اشہار دیکھ کر آگئی تھی۔“

” میں کیسے مان لوں....؟“

” پھر تو....“ روشنی اٹھائی۔ ” اب مجھے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ میں یہاں بس کے مشورے سے رکھی ہوں.... میں تھا تو نہیں تھی سر کار.... بہت سی امیدوار آئی تھیں۔“

” تمہیں.... تھیک ہے....“ کبڑا کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دری بعد بولا۔ ” تم نے عمران کے بارے میں ہمیں کوئی نہیں بتایا تھا کہ تم اسے پہلے سے جانتے تھیں۔“

”میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ کسی غیر معقول آدمی سے اپنا کسی قسم کا تعلق ظاہر کروں۔“

”غیر معقول کیوں؟“

”حیرت ہے کہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتے کے بعد جو بھی آپ لے گئے غیر معقول نہیں سمجھتے۔“

”تم کیا جانو کہ میں اس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔“

”آپ کو میرے متعلق بھی تو بہت کچھ معلوم ہے...!“

”میں دراصل الہام میں تھا... وہ لڑکا مجھے بے حد پسند ہے۔ اس کی دلیوالی میرے لیے

تکلیف دے ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ کچھ دنیا سے یہاں رکھتا لیکن وہ پھر داروں کو بھی ہل دے کر

ٹکلیف دیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رحمان صاحب کو کیا جواب دیا جائے گا...!“

”میرا خیال ہے کہ اس کے باپ کو ذرہ برا برا بھی پرواہ نہ ہو گی...“ روشنی نے براسانہ بنا

کر کہا۔

”کبڑا تھوڑا دیری تک کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔“ کیا تم اسے ملاش کر سکو گی؟“

”مم... مم... نہیں سر کار... میں ہاں نامعقول آدمی کی شکل سخت نہیں دیکھتا چاہتی۔“

”آخر کیوں؟“

”اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ بہلا پھلا کر مجھے شواب گھر سے لایا۔ اور پھر علیحدگی اختیار کر لی۔“

”تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں...“ کبڑے نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں... لیکن اب قریب قریب اس کی زندگی کی گاہک بن کر رہ گئی ہوں۔“

”وتی دشمنی...“

”لیں یورائیڈ یون کر لیں۔“ روشنی نے گزون اکڑا کر تلخ لمحے میں کہا۔

”صفدر کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”صفدر...“ روشنی یادداشت پر زور دیکھنے کی سی ایکٹنگ کرتی ہوئی بولی۔ ”میں نے یہ ہام

کبھی نہیں سنایا۔!“

”تم میرے سیکڑی کو نہیں جانتیں...“

”جاتی ہوں...“

”اس کا نام صفدر ہے۔“

”میں نے اسے عمران کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا...“

”میر ایکر فری اپنا حلیہ بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ میک اپ کا ماہر ہے!“

”تب تو میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہر حال میں نے موجودہ حلیہ میں اسے عمران کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔“

کبڑا پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دھنار سر اٹھا کر بولا۔ ”اس روشن داں کی طرف دیکھو۔۔۔“

روشی اس جانب دیکھنے لگی پھر جواب طلب نظرودن کے ساتھ اس کی طرف بڑی۔۔۔ کبڑا مسکر لیا اور بولا۔ ”کیا دیکھا؟“

”بھیج تو کچھ بھی نہیں دیکھا دیتا۔۔۔“

”دہاں ایک ایسا آدمی موجود ہے جس کے ہاتھ میں بے آواز ریو اور بھی ہے۔“

بھر اس نے ہاتھ اٹھا کر بلڈ آواز میں کسی کو مخاطب کیا۔ ”سامنے والی تصویر پر فائز کرو۔۔۔“

اچانک سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے تصویری فریم کا شیشہ ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر فرش پر آگرا۔ روشنی لے رکھی۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں استفہا میہ اندرونی کبڑے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”زو رہ نہیں۔۔۔“ کبڑے نے سرگوشی کی۔۔۔ پھر زور سے بنس پڑا۔

روشی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔۔۔ کچھ دیر قبرستان کی سی خاموشی مسلط رہی پھر کبڑے کی تیز حرم کی سرگوشی کرے کی حدود فضائیں گونج اٹھی۔ ”یہ انہی کھا اور بے آواز ریو اور صرف ان کے لیے ہے جو میرا حکم نہیں مانتے۔۔۔“

”مم۔۔۔ مگر۔۔۔ میں نے تو۔۔۔“ روشنی ہکلائی۔

”اؤ۔۔۔“ کبڑے نے کہا اور فرش پر اندھائی گیا۔۔۔ پھر چوتھے ٹھاموش رہ کر تحریز دہ روشی کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔ ”اؤ۔۔۔ میرے کو یو پر بینتے جاؤ۔۔۔ اونہاںی طرح آگے پیچھے جھوٹی رہ جو جیسے اونٹ پر سواری کرتے ہیں۔۔۔“

روشی بے ساختہ بنس پڑی۔۔۔ لیکن دوسرا ہی لمحے کبڑا کسی لکھنے کے کی طرح غمراہ۔۔۔ مگر تم نے میرا حکم نہیں سنایا۔۔۔“

”کھو۔۔۔ سرکار۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔“

”کوکاں بند کرو۔۔۔ درنہ کھو پڑی میں سوراخ ہو جائے گا اور تمہاری لاش کہیں دفن کر دی جائے گی۔۔۔ میرے حکم کی تعلیل کرو۔۔۔ چلو۔۔۔“

روشی کی پوزیشن بے حد مسحک خیز ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہا کہا

چاہئے... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر لیلے مجسے کی طرح ایک ہی جگہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی ہو...!

”گھدان پر فائز کرو...!“ کبڑا سر اٹھا کر دھڑک

روشنداں سے پھر بے آواز فائز ہوا اور میز پر کھما ہوا ڈنگдан چور چور ہو گیا۔ روشنی بزدل نہیں تھی لیکن اس چھوٹنے نے اسے صحیح معنوں میں دھلا کر رکھ دیا تھا اگر اس اندازے اور بے آواز ریو اور کاخف نہ ہوتا تو وہ شاید ہنسنے بیویش ہو جاتی۔ بات ہی ملکھہ خیز تھی... ہزاروں پر حکومت کرنے والا زمین پر اونڈھا پڑا ہوا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے کوہڑ پر بیٹھ کر اس طرح ہلتی رہے جیسے اونٹ پر سواری کرنے والے آگے بیچھے جھولتے ہیں۔

”آؤ...“ کبڑا پھر غریباً اور روشنی جیپنے ہوئے انداز میں پھکپاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھی....

”آؤ... آؤ... مل مل مل مل مل...“ کبڑا ادانت پر دانت جھا کر کسی اونٹ ہی کی طرح بلبلایا... روشنی اس کے کوہڑ پر بیٹھ کر ہنسنے لگی... مگر اس نہیں میں بیچارگی اور شرم میں پن کا انتزان تھا۔

”جھولو... جھولو...“ کبڑا صوچ میں آکر اور زیادہ بلبلانے لگا۔ روشنی نہیں کے مارے دوہری ہوئی جاری تھی... اس وقت اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کسی مرد سے مخاطب ہوئی ہو۔ ایسا مرد جو ملکھہ خیز ہونے کی بنا پر ہنسنے پر مجبور کردے اور جس سے شرم بھی آئے اسے خود اپنی ملکھہ خیزیت پر بھی بھی آرہی تھی اور شرم بھی۔

”ہئے... ہائے...“ کبڑا کر لاہ۔ ”بس اسی طرح جھولتی رہو۔“

اس کے بعد وہ پھر اونٹوں کی طرح بلبلانے لگا۔ تقریباً اس منٹ تک بھی کیفیت رہی یعنی کبڑا کراہتا رہا اور روشنی ”کمی کمی کمی“ کر کے ہنسنی رہی۔ وہ اتنی اسارت اور لکھ مزاج ہونے کے باوجود اس وقت خود کو ایک نہیں سی پنجی محسوس کر رہی تھی....

”بس اب اٹھ جاؤ...!“ کبڑے نے مضھل اور بھرا کی ہوئی سی آواز میں کہا۔

روشنی اٹھ کر اس کے پاس سے ہٹ گئی لیکن اب بھی تحریرانہ انداز میں اسے گھوڑے جاری تھی اور کبڑا قطعی بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ چور پھولے ہوئے تھے۔ سائنسی عجیبی سے چل رہی تھی اور وہ اب بھی اونڈھا ہی پڑا ہوا تھا۔

روشی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں کیوں وہ ایسی تھکن محسوس کر رہی تھی جیسے اس نے کسی اونٹ ہی کی پشت پر کوئی طویل سرطے کیا ہو۔۔۔ وہ اس روشنداں کی طرف دیکھنے لگی جس سے کچھ دیر پہلے دو بے آواز فائر ہوئے تھے لیکن وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کبڑا تھوڑی دیر بعد پھر کراہا اور انھ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کی آنکھیں دھنڈی تھیں اور چہرے پر تھکن کے گہرے آثار تھے۔

پھر وہ انھا اور لڑکھڑا ہوا ایک کری میں ڈھیر ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر روشنی کی طرف الگی انھا کر بولا۔ ”تم بہت اچھی لڑکی ہو۔۔۔ کیا مجھے تھوڑی سی برائی دو گی؟“

”میں قلعی نہیں ہیجنی جتاب۔۔۔“

”جھوٹ نہ بولو۔۔۔ اچھی لڑکی۔۔۔ تھہاری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔“

”اوہ۔۔۔“ روشنی ہنس کر بولی۔ ”بہت پہلے کی بات ہے جب میں پیا کرتی تھی جب سے شاداب نگر چھوٹا۔۔۔ شراب بھی چھوٹ گئی۔“

”عمران بھی تو نہیں پیتا۔“ کبڑے نے کہا جو رہا راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”پتہ نہیں۔۔۔ پہلے تو نہیں پیتا تھا۔“ روشنی نے لاپرواہی سے کہا۔

”اچھا لڑکا ہے۔۔۔ لیکن کسی غلط فہمی میں بتلا ہو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔۔۔ اسے میں تو زندگی کی یکسانیت سے اکتایا ہوا ایک غیر متوازن آدمی ہوں۔۔۔ یہاں عیش بھی کرتا ہوں اور دارالحکومت کی سرزوں پر ٹھوکریں بھی کھاتا پھر تاہوں۔۔۔ تم مجھے بتاؤ اگر میں کسی چورا ہے پر سر کے مل کھڑا ہو جاؤں تو قانون کو اس سے کیا سروکار۔۔۔ اگر دارالحکومت کے پیچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے پھر میں تو کسی کو کینا۔۔۔ میں زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتا ہوں۔“

”مم۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ اونٹ۔۔۔“ روشنی ہکھلائی۔

”اوہ۔۔۔ یہ۔۔۔!“ کبڑا بہنے لگا لیکن اس نہیں میں شرمندگی کی بجائے ڈھنائی تھی اور اس کی آنکھوں میں کسی شریر پیچے کی آنکھوں کی سی چک نظر آرہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک ہستارہ پھر سنجیدگی اختیار کرتا ہو اور دنک لجھے میں بولا۔ ”میں اکثر سوچتا کہ مجھے اونٹ ہونا چاہئے تھا۔۔۔ نہ جلنے کیوں۔۔۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اونٹ سمجھے، مجھے پر سوکھی کرتے۔۔۔ البتہ بلڈ اگ بننا مجھے پسند نہیں۔۔۔ لیکن رانی مجھے یہی سمجھتی ہے۔۔۔ مجبوری میں اسے کچھ کہہ تو نہیں سکتا۔۔۔ لکھنی محبت کرتی ہے مجھے سے۔۔۔“

روشی متینہ انداز میں پلکش جھپکاتی رہی اور پھر بولی۔ ”اچھی لڑکی کیا تم میرے گال پر تھیز  
رسید کرو گی... پوری طاقت سے مارو۔“

روشی کو پھر نہیں آگئی لیکن کبڑا یک بیک معموم نظر آنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی  
سانس لے کر بولا۔ ”شاید میری بے چین روح کو مرنے کے بعد بھی سکون نہ مل سکے۔“  
لہجے میں رو دینے کا سا انداز تھا۔ روشنی سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ کبڑا اب  
با قاعدہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ روشنی اسے خاموشی سے گھوڑتی رہی۔ پھر یک بیک وہ اسے  
ایک نخاسا معموم بچہ معلوم ہونے لگا اور نہ جانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ پھر وہ اس کی پوزیشن  
اور اپنی حیثیت کو بھلا کر مضطربانہ انداز میں اس کے سر پر رہا تھا پھیرنے لگی۔

”تم چپ ہو جاؤ... خدا کے لیے چپ ہو جاؤ... دیکھو میں بھی رورہی ہوں... میں بھی  
رورہی ہوں۔ عمران ہی نے مجھے یہاں بھجوایا تھا۔ تاکہ تم پر نظر رکھوں... مگر تم تو صرف ایک  
سر پھرنے بچے ہوں۔ عمران کو سمجھادوں گی کہ وہ تمہارا یچھا چھوڑ دے۔“

کبڑے کی گریہ زاری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر وہ اچانک دروازے کی طرف بڑھتا ہوا  
بولا۔ ”مجھے جانے دو۔“

اور اسی طرح روتا اور سکیاں لیتا ہوا باہر نکل گیا۔ روشنی اب بھی روئے جا رہی تھی۔  
دیر تک یہی کیفیت رہی پھر دفتہ اس کے ذہن کو جھکا سا لگا اور ایسا محسوس ہوا جیسا نیند سے  
اچانک بیدار ہوئی ہو۔ وہ یہ اختیار انہ دروازے کی طرف جھپٹی لیکن پھر رک گئی۔

”اوہ... چوت دے گیا۔“ وہ ران پر رہا تھا مار کر بڑی بڑی اور پھر مسہری پر ڈھیر ہو گئی۔ اس  
کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔... وہ سوچ رہی تھی کہ کبڑا اسے اچھی طرح بے وقوف بنا کر  
عمران اور خود اس کے متعلق معلومات حاصل کر گیا ہے۔ اب کیا ہو گا۔ عمران کسی معمولی شے کی  
بنا پر اس طرح اس کے پیچھے نہ لگا ہو گا۔ یقیناً کوئی خاص بات ہو گی۔... پھر اسے عمران پر بھی غصہ  
آگیا سارے معاملات سے آگاہ کر کے اسے دہاں جھونکا ہوتا۔ نادانشگی میں پٹ جانے کے علاوہ اور  
کیا ہو سکتا تھا لیکن اس کا کیا حشر ہو گا۔

اب نیند کا کوسوں پتے نہیں تھا۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔

## O

دوسری صبح نینا اٹھی تو اسے اپنا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھتا محسوس ہو رہا تھا تقریباً ساری رات ہنگاموں میں ہی گزری تھی۔ دھماکے کے بعد وہ سب ہی باہر کھلے میدان میں نکلن گئے تھے۔ کیونکہ دھماکہ عمارت کے اندر ہی کسی حصے میں ہوا تھا۔ اتنا زور دار و دھماکہ تھا کہ پوری عمارت لرز کر رہ گئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ایسا ناچھا گیا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر سب سے بڑی عجیب بات یہ تھی کہ عمارت کے کسی حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے دھماکے کی نوعیت بھی کسی کی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ لیکن اس سخنے مہمان نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ دھماکے کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم فوری طور پر عمارت سے باہر نکل جائیں۔ کیوں؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

نینا اپنے کمرے سے نکل کر پر آمدے میں آئی۔ یہاں فرشی کرامت علی ہارڈی، شیخ شاء اللہ شارفی کی کھوپڑی پر صابن کا جھاگ پھیلانے ہوئے انہاک سے شیو کر رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

نینا ان کے قریب ہی رک گئی۔ نہ جانے کیوں وہ عمران کے متعلق ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ اس وقت ان کا موضوع گفتگو بھی عمران ہی تھا۔

”یلو نینا!“ فرشی کرامت علی ہارڈی ہاتھ روک کر بولा۔ ”ہاؤڈو یوڈوا!“

”اوے... گو آن یور بز نن۔!“ نینا نے غالباً کاؤ بوائے ایٹائل میں جواب دیا۔

”بہت اچھا ہوا کہ تم ادھر ہی آگئیں۔“ شاء اللہ شارفی نے کہا۔

”کیوں... خیریت...!“

”اس لوٹے کے متعلق تمہاری کیوارائے ہے...؟“

”اوہ وہ...“ نینا بے ساختہ نہ پڑی اور شاء اللہ شارفی نے کھکھ کر حل صاف کیا۔ پھر بولा۔

”میں تو اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حرامزادہ میری ڈاڑھی کا محکمہ اڑاتا ہے...“

”کیا ہم سب ہی محکمہ خیز نہیں ہیں؟“ نینا نے پوچھا۔

”میری بات سنو!“ شاء اللہ شارفی غریلیا۔ ”اگر وہ یہاں جم گیا تو ہم سب دو کوڑی کے ہو کر رہ جائیں گے۔“

”لیکن میر اخیال ہے کہ اگر ایسا ہو تو وقت اچھا گز رے گا۔“

”شاپید تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے تمہاری پتوں پر کیسی بھتی کی تھی۔“ منشی کرامت علی ہارڈی نے شیخ لبجے میں کہا۔  
”کیا کہا تھا....“

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہٹنے لگے۔

اتئے میں ایک دروازے سے آواز آئی۔ ”بیکار ہے.... جب تک منڈی ہموئی کھوپڑی پر سرسوں کا تسلی بھی نہ لگایا جائے قطعی بیکار ہے....!“

وہ سب چونک کرمڑے۔ نینا نے عمران کو ایک دروازے میں کھڑے دیکھا جس کے ہوننوں پر شریری مسکراہٹ تھی۔ اسی مسکراہٹ جوان نہیں جھلاہٹ میں جتنا کروئے کے لیے کافی تھی۔ شارٹی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن منشی کرامت علی ہارڈی اسے دوبارہ بخادینے کی کوشش کرنے لگا۔ ”نہیں چھوڑ دو....“ شارٹی اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”چھوڑ بھی دو پیارے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ایک بار دن کے اجائے میں بھی سمجھی۔“

”تم چلے جاؤ یہاں سے۔“ کرامت علی ہارڈی نے ہانپتے ہوئے غصیلے لبجے میں کہا۔ اب کرامت علی ہارڈی نے شیخ ثناء اللہ شارٹی کی کمر پکڑ لی تھی۔ .... عمران جہاں تھا وہیں کھڑا چیو گنگم پکلتا اور مسکراتا رہا۔ نینا نہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔

شارٹی عمران پر جھپٹ پڑنے کے لیے اب بھی زور لگا رہا تھا اور کرامت علی ہارڈی اسے وہاں سے ہٹانے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شارٹی کو اس زور کا غصہ آیا تھا کہ جیسے کسی قسم کے پاگل پن کا دورہ پڑا ہو۔

”نینا سے لے جاؤ یہاں سے!“ کرامت علی ہارڈی ہانپتا ہوا دہڑا۔ اور نینا بے بسی سے عمران کی طرف دیکھنے لگی۔

”لے چوٹا!“ عمران بڑی سعادت مندی سے سر ہلا کر بولا اور پھر تھوڑے توقف کے بعد دوسرا جانب جانے کے لیے مڑ گیا۔ نینا غیر ارادی طور پر اس کے چیچے چل رہی تھی۔

”یہ مم... میرا... کمرہ ہے۔“ کچھ دور چل کر وہ بدقت بولی۔

عمران اس کی جانب مڑے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموش کھڑے نجیدگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے نینا کبھی کبھی نظریں بھی چراتی.... پھر عمران ہی بولا۔ ”کمرے کا فرنچپر ڈھنک سے سیٹ نہیں کیا گیا۔“

”تو کیا اس میں بھی دخل ہے؟“ نینا جسمیتی ہوئے انداز میں مسکرائی۔

”آل راؤ نڈر...!“ عمران نے متکرانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔

نینا نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر پھر رک گئی اور صرف عمران ہی کو گھورتی رہی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”چپاتیاں پکا سکتی ہو....؟“ دفعتاوہ نینا کی طرف مڑ کر بولا۔

”چج... چپاتیاں!“ نینا بوكھلا گئی۔ پھر ہنس پڑی اور بولی۔ ”اچاک چپاتیاں کیوں یاد آگئیں۔“

عمران کچھ کہنے تھی والا تھا کہ صدر جنگ کی وہاڑستانی دی۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ ساتھ ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔

”یہ چپاتیاں نہیں پکا سکتیں“ عمران نے ماہوسانہ انداز میں کہا۔

”کیا مطلب!“ صدر جنگ اسے گھور رہا تھا۔

”چپاتیوں کا مطلب ہوتا ہے.... یوں!“ عمران نے انگلی سے خلاء میں دائرة بناتے ہوئے

کہا۔ ”یعنی کہ گول... پتلی پتلی.... جب بنائی جاتی ہے تو چوڑیاں مسلسل ٹھکتی رہتی ہیں۔“

”میا بک رہے ہو....“

”مگر یہ چوڑیاں کب پہنچتی ہیں کہ چپاتیاں پکا سکتیں گی۔“

”میا تم پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔“ صدر جنگ غرایا۔

”مگر جتاب میں تو کہتا ہوں کہ.... لعنت ہے ان چپاتیوں پر جن میں چوڑیوں کا دھوؤں بھی شامل ہو....“

”لوکے میں کمال سمجھنے کا تمہاری۔“

”جبوری ہے....“ عمران نے ماہوسی سے کہا اور سر جھکایا۔ اب وہ احتمانہ انداز میں فرش

کو گھور رہا تھا۔

”میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا....“ صدر جنگ آنکھیں نکال کر بولا۔

”پوچھ لجئے ان سے اگر ایک لفظ بھی محبت کا زبان سے نکلا ہو۔“ عمران نے نینا کی طرف ہاتھ اٹھا کر مردہ سی آواز میں کہا۔

”میا بیہودگی ہے!“ نینا پیر پیچ کر بولی اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

اس کے پلے جانے کے بعد وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر

عمران مسکرا یا اور بولا۔ ”وہ بے چاری تو مجھے موت کے منہ سے نکال کر یہاں لائی تھی۔۔۔“  
”موت کے منہ سے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ وہ آپ کا مولا نا شارنی ہے نا۔ اس وقت پھر مجھے مار ڈالنے پر تل گیا  
قا۔۔۔“

”یا ہوا تھا۔“ صدر جنگ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”بات یہ ہے سر کار۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر کوئی بے قاعدہ کام ہوتے دیکھ لیتا ہوں تو  
میرے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ یہ شیخ صاحب سر تو منڈڑا دیتے ہیں مگر اس پر سرسوں کا تیل ہرگز  
نبیس لگاتے۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔۔۔“

صدر جنگ کی مسکراہٹ کچھ اور و سبق ہو گئی۔

”ختم کرو۔۔۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران  
بول پڑا۔ ”میں کیا کروں۔۔۔ ہائے چچا جان۔۔۔ میں انہیں کہاں تلاش کروں۔“

صدر جنگ کے ہوننوں پر تلخ ہی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں بس عمران کی  
آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

”میں سمجھتا ہوں!“ عمران تھوڑی دیر بعد تشویش کن لمحے میں بولا ”آپ ہم دونوں کو فرما  
مجھتے ہیں۔“

”پھر تم ہی تباو کہ تمہیں اور کیا سمجھا جائے۔“ صدر جنگ کے لمحے میں تمسخر تھا۔

”پس تو پھر مجھے پڑھا دیجئے چھانی پر۔۔۔“

یک بیک عمران کے چہرے پر کسی بوڑھے اور جہاں دیدہ آدمی کی سی سنجیدگی طاری ہو گئی۔  
آنکھوں میں پائی جانے والی شوخی کی جھلکیاں نہ جانے کہاں غالب ہوئی تھیں۔ یہ تبدیلی غالباً صدر  
جنگ نے بھی محسوس کر لی تھی اور قدرے متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عمران نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے  
وہاں صدر جنگ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ صدر جنگ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

”یہ عمارت کب بنائی گئی تھی۔“ ”فعتاً اس نے صدر جنگ سے پوچھا۔

”کیوں؟“ صدر جنگ چونک پڑا۔۔۔ پھر خود ہی ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا غرایا۔ ”کوئی عذر کام  
نہ آئے گا۔۔۔ تم بے تکمیل بکواس مت کرو۔۔۔“

”اچھا تو کیا یہ ہنگامہ برپا کرنے والے آسمان سے پکتے ہیں اور زمین میں وفن ہو جاتے ہیں۔“

عمران نے بھولے پن سے کہا۔

”کیا مطلب....!“

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ پچھلی رات والا واقعہ یہاں کے لیے نیا ہے تھا۔“

”ہام.... تو پھر؟“

”میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔“

”تم معلوم کر لو گے....!“ صدر جنگ نے خاترات سے پوچھا۔

”کو شش کروں گا!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔ صدر جنگ عمران کو گھورتا رہا لیکن عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”کیسے کو شش کرو گے۔“ کچھ دیر بعد صدر جنگ نے پوچھا۔

”عمارت کب بنائی گئی تھی؟“

”وس سال پہلے کی بات ہے۔“

”تمہرے خانے بھی یہی اس میں....“

”نہیں.... کیوں....?“

عمران نے اس ”کیوں“ کا جواب دیئے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا آپ ہی کی گرانی میں اس کی تغیری ہوئی تھی۔“

اس سوال پر صدر جنگ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔... دیر تک ہستارہا پھر بولا۔ ”وہ میرے ایک ملازم کی بیوی ہے۔“

”کون....؟“ عمران اس بے نکلے جواب پر بوکھلا گیا۔

”رانی ساجد گمرا!“ صدر جنگ خاترات آمیز لجھے میں کہا۔

”آہا.... تو اس کیڑے....“

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی صدر جنگ نے پھر قہقہہ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے عمران کو کچھ کہنے سے روکتا ہوا بولا۔ ”وہ حیرت چیزوں نامیر اغلام تھا۔ اور اب رانی ساجد گمرا اس کی بیوی ہے۔“

”سر کار میں اس عمارت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“ عمران نے ناخوشگوار لجھے میں کہا۔

”یہ عمارت اسی کی گرانی میں تیار ہوئی تھی۔ میں تو اس زمانے میں یورپ کی سیر کر رہا تھا۔ دو سال بعد واپسی ہوئی تھی اس وقت تک یہ عمارت تیار ہو چکی تھی۔“

”اسی کیبرے کی گرانی میں؟“

”ہاں.... وہ حقیر مینڈک جیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے ایک عظیم آرکٹیکٹ۔“

”میں نے تو سنائے کہ وہ ایک عظیم اکاؤنٹنٹ بھی ہے۔“ عمران نے مایوسی سے کہا۔

”پتہ نہیں کیا کیا ہے....“

”اچھا تو اب میں اپنا کام شروع کرنے والا ہوں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”مگر وہ آپ کی ملازمت کیوں چھوڑ گیا۔“

”میں نے دھکے دلو اکر نکال دیا تھا۔“ صدر جنگ نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”اتھے کار آمد آدمی کو دھکے دلو اکر نکال دیا؟“ عمران نے جیرت سے پوچھا۔

”اوہ.... پکا سور تھا.... دیتھ لعل باسڑا....!“

”میں نہیں سمجھا!“

”پاگل بھی تھا.... کاشت کاروں کی مرغیاں چلایا کرتا تھا.... اور ان کا گوشت پکا کر میری بوڑھی ملازمتہ کو کھلایا کرتا تھا....“

”آہا یہ تو اپنے ہی قبیلے کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”کچھ نہیں!“ عمران ٹھنڈی سافس لے کر بولا۔ ”بچپن میں ہم بھی یہی شغل کیا کرتے تھے۔“

”مگر تم کرو گے کیا....؟“

”تہہ خانوں کی تلاش....“

”کیا تم نے نہیں نہیں؟ میں نے تہہ خانے نہیں بنائے تھے....“

”اس عظیم آرکٹیکٹ کی گرانی میں سب کچھ ہو سکتا ہے.... حضور.... خیر.... مگر سر کار وہ رانی ساجد نگر سے کیسے جائیں؟“

”پتہ نہیں!“ صدر جنگ لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دیتا ہوا بولا۔ ”جہنم میں جائے۔“

”تو پھر اب آپ میرے ساتھ کیا برداشت کریں گے؟“ عمران نے موضوع بدل دیا۔

”یقین نہیں آتا۔“ صدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بڑا بڑا لیا۔

”کس بات پر....!“

”تیکی کہ تم بھی انہیں نامعلوم لفظوں میں سے ہو گے!“

”خیر یہ....!“

”لیکن پھر تم کون ہو.... کیا ہو!....!“

”اب بچا کی طرح میں بھی غائب ہو جاؤں گا۔ پھر سوچوں گا کہ میں کیا ہوں۔“

”خیر.... خیر.... چلو ناشتے کی میز پر....!“

ڈائینگ روم میں ہارڈی، شارٹی اور عمران کے منتظر تھے۔

شارٹی نے عمران کو صدر جنگ کے ساتھ دیکھ کر بہت برا سامنہ بنایا۔ وہ بینچے گئے نینا نے گھٹنی

بجائی اور ایک ملازم ناشتے کیڑاں دھکیلائیں ہوا اذائنگ روم میں داخل ہوا....!

پکھے دیر بعد وہ سب ناشتے میں مشغول تھے۔ ہر ایک پکھے نہ پکھے سوچ رہا تھا۔

و فتحا صدر جنگ سر اٹھا کر بولا۔ ”آج سریکم کی طرف چلیں گے۔ ناہ ہے چیتوں کا ایک

جھٹپٹ چڑائی کر رہا ہے۔“

”بوریت....“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

”کیا مطلب!“ صدر جنگ نے غرا کر ہاتھ روک لیے۔

”میں اسے بوریت ہی سمجھتا ہوں.... کہ مارے مارے پھریں شکار کے چکر میں! آپ نہیں

جانتے کہ میں کس طرح اپنا یہ شوق پورا کرتا ہوں.... دو چار شریف آدمی اور چند بکرے

ساتھ.... کسی جنگل میں پہنچ کر بکروں کو پہلے بندوق سے مارا پھر ذبح کر ڈالا۔ اس کے بعد بھیں

رہا ہے شکار اور مزے کر رہے ہیں شکاری....! ہاہا ہو۔“

نینا نہ پڑی لیکن صدر جنگ اور دونوں مصاہبین کی بھنوں تن تھیں۔ صدر جنگ چند

لحے عمران کو گھورتا ہا پھر غریا۔ ”اس بکواس کا مطلب۔“

”ہر طرح کے شکاری اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں.... میرے دوستوں میں یہ سید صاحب

ہیں.... دو تالی دنادن والی خرید رکھی ہے.... لیکن خود چلانے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا ایسے

شکار پر ضرور جاتے ہیں اور چند ”تابندوق“ تم کے شکاریوں سے دوستی گا تھر رکھی ہے.... اس

طرح ہو جاتا ہے شکار.... ذہیر دل تیز ہر ہفتہ شکار کر لاتے ہیں! غالباً مطلب سمجھ میں آگیا ہو

گا....!“

صدر جنگ فور ک اور نایف پلیٹ پر چیخ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ کر بولا۔ "کھینچ کر لے چلو اسے میں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیتا ہوں .... کیمپینگ بھی ہو گی .... چھوڑو ناشتہ .... سامان لدواو ....!"

شارٹی اور ہارڈی بھی ناشتہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ نینا بر اسمنہ بنائے ہوئے دوسرا طرف دیکھ رہی تھی ....

"میرا یہ مطلب نہیں تھا .... سر کار کہ آپ ...." عمران نے کچھ کہنا پڑھ لیکن صدر جنگ کے حلق سے بیک وقت کئی قسم کی آوازیں لٹکیں اور وہ ہاتھ اٹھا کر دہاز۔ "نہیں میں تمہیں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیتا ہوں۔"

"میرے سر کار مجھے یقین ہے کہ آپ ایک اچھے شکاری ہیں۔" عمران گھم گھمیا۔ وہ دراصل اب کسی غیر حادثت میں جلا ہو کر وقت نہیں گونا چاہتا تھا۔ مگر جنخ کی طرح چلنے والی زبان کو کیا کرتا جو کسی حال میں رکنا جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ اب دراصل ڈاکٹر داور کی تلاش کے سلسلہ میں ٹک دو کرنے کا راہ درکھستا تھا۔

"نہیں ....!" صدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر چینا۔ "تمہیں چنانہ پڑے گا۔" "ہائے!" عمران سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور نینا پھر نہ پڑی۔

بہر حال پھر کسی نے ناشتے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑے ٹرک پر چھولہ اریاں بار کی جانے لگیں .... انہیں تو گھوڑوں پر ہی سفر کرنا تھا۔ ٹرک پہلے روانہ ہو گیا .... کوئی پر صرف دو ملازم چوکیداری کے لئے چھوڑ دیے گئے تھے۔ چار ٹرک پر گئے تھے۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے گلو خلاصی ہو۔ اس نے محض ڈاکٹر داور کی وجہ سے چھپ کر کام کرنا چاہا تھا لیکن اب ان کے غائب ہو جانے کے بعد کسی قسم کی پرودہ داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا .... جو لوگ انہیں کوئی سے لے گئے ہوں گے انہوں نے اسے بھی دہاں دیکھا ہو گا۔ پھر اب چھپ کر کام کرنے سے کیا فائدہ .... وہ سوچ رہا تھا کہ کہڑے کے خلاف شوت بھی پہنچانے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ وہ بہر حال ایک اونچی حیثیت رکھنے والی عورت کا شوہر تھا۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑے تیار ہو کر آگئے لیکن عمران نے کاؤ بوائے سوت پہنچ سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں سر کار .... ابھی نہیں .... جب آپ کی ملازمت میں آ جاؤں تب ....

ابھی تو آپ بھی مجھے مہمان ہی سمجھئے...”

اس پر صدر جنگ نے بات نہیں بڑھائی۔ پھر ان چھ آدمیوں کا یہ قافلہ شکار کے لیے روانہ ہو گیا۔ شارٹی اور ہارڈی کے علاوہ صدر جنگ کا ایک منہ لگا طالزام شخو بھی ساتھ تھا۔ اس کا نام شخو تھا۔ لیکن اس دربار میں ٹوٹی کھلا تھا چونکہ پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے ابھی تک صدر جنگ اسے ڈھب پر نہیں لاسکا تھا۔ ہر چند وہ شیخ شاء اللہ شارٹی اور مشی کرامت علی ہارڈی کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی تھی۔ وہ دونوں بقول صدر جنگ مجھے ہوئے کا دیوار تھے۔ اس کی توزبان بھی ٹھیک نہیں تھی آدمی ارد و اور آدمی پوربی یوتا تھا۔ اس وقت راہ میں وہی چکتا رہا تھا اور سب خاموش تھے۔ نینا کی پیشائی پر سلوٹیں تھیں اور ہونت اس طرح سکوڑ رکھتے تھے جیسے کوئی بہت ہی ناخوشنگوار فرض انجام دینا پڑا ہو۔۔۔! یہ بُوی تناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ صورت شکل کی بھی بُری نہیں تھی شاید فطر ناشر میلی بھی تھی۔ سہی وجہ تھی کہ عرف عام میں ”سارت“ ہونے کے باوجود بھی اس میں نسوانیت کی جھلکیاں ملتی تھیں۔۔۔

گھوڑے تیز فماری سے گئے جنگلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نینا کو شش کر رہی تھی کہ صدر جنگ کے ساتھ ہی ساتھ رہے۔ دھنٹا شخو المعرف ٹوٹی کا گھوڑا ایک بار بھڑکا اور دوسرا سمت کچھ دور جا کر اڑا میں پن دکھانے لگا۔

سکھوں کو راسیں کھینچ لئی پڑیں اور صدر جنگ دہڑا۔ ”او ہر ای یہ کیا کر رہا ہے۔۔۔؟“ ”ہم کا جانی باس یوسرو ہر ای پن کرنا ملکا۔۔۔!“ ٹوٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ ”شارٹی۔۔۔ ہارڈی۔۔۔ دیکھو!“ صدر جنگ چیخا۔

دونوں دھماکہ گھوڑے سے کو دپڑے۔ ٹوٹی کا گھوڑا اب ایک ہی گھکہ پر اچھلنے کو دنے لگا۔ وہ راس کھینچتا تو پچھلی ناگوں پر کھڑا ہو کر اسے الٹ دینے کی کوشش کرنے لگا۔ شاء اللہ شارٹی اور کرامت علی ہارڈی نے اسے قابو میں لانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ جوش میں آکر صدر جنگ بھی ان کی طرف چھپتا تھا۔ لیکن عمران جہاں رکتا تھا وہیں اپنا گھوڑا روکے رہا۔ نینا قریب ہی تھی۔

عمران اس کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”گھوڑے پر بیٹھنے سے پہلے دودھ ضرور بخشوایا چاہئے۔۔۔“

”تم شاید اسی طرح بیٹھے ہو گے؟“ نینا نے مسکرا کر کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ پوری توجہ سے گھوڑے کی بدستیاں دیکھ رہا تھا۔ ایک بار موقع پار کر ٹوٹی گھوڑے سے ہی کوڈ پڑا۔ پھر تو گھوڑے کو قابو میں رکھنا محال ہی نظر آنے لگا۔ شارٹی ہارڈی نے دونوں طرف سے لگام پکڑ رکھی تھی اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے جھوے جادہ ہے تھے۔  
”فھٹا عمران اپنے گھوڑے سے اتنا ہوانیتا سے بولا۔“ تم ذرا اس کی باگ تھاموں میں دیکھتا ہوں۔“  
نینا نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور وہ دونوں کی طرف بڑھا۔ صدر شارٹی اور ہارڈی کو برائجلا کہہ رہا تھا۔

”مر غے ذبح کیا کرو تم لوگ۔“ عمران نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”چھوڑو ہٹو! میں دیکھوں گا کہ کتنا دم دار ہے۔“

”چپ..... رہو..... سالے..... ورنہ..... گردن توڑوں گا.....“ شارٹی ہانپا ہوا بولا۔ مشی کرامت علی ہارڈی چپ ہی رہا۔ گھوڑے کی منہ زوریاں بدستور جاری رہیں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اچھتے کو دتے رہے اور صدر جنگ انہیں انگریزی اور اردو میں گالیاں دیتا رہا۔ پھر عمران پرالٹ پڑا۔ ”دفع ہو جاؤ مجھے غصہ نہ دلو۔“

”خفا ہونے کی ضرورت نہیں سرکار..... مجھے ذر ہے کہ کہیں شکار یہیں نہ ہو جائے۔“  
عمران نے مسکی صورت بنا کر کہا۔

”کیا مطلب.....“ صدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”یہ عشوہ طراز گھوڑا.....“

”کیا کرو کے تم.....“

”ان سے کہیے کہ لگام میرے ہاتھ میں دے کر اس کے پاس سے ہٹ جائیں؟“

صدر جنگ چند لمحے عمران کو گھوڑا تارا پھر دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”گھوڑا چھوڑو۔“

عمران تیزی کے ساتھ گھوڑے کی طرف لپکا۔ لیکن شاید وہ دونوں اسے ذلیل کرنے ہی پر تلتے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اس کے قریب پہنچنے سے قبل ہی گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔

گھوڑے نے پچھاگ لگائی اور ایک طرف کو ہولیا۔....

اب وہ سرپت دوڑا جا رہا تھا اور وہ سب ایک دوسرے کامنہ دیکھ رہے تھے۔ فھٹا عمران اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا اور نینا کے ہاتھ سے اس کی باگ چھینتا ہوا رکاب میں پاؤں رکھ کر ایک

جھوٹکے کے ساتھ سوار ہو گیا!.... پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا گھوڑا مغرور گھوڑے کے پیچے بھاگ رہا تھا۔

” یہ بھی نکلا جا رہا ہے باس....!“ شارٹی چینگا۔

” اوہ....!“ صدر جنگ چونک پڑا۔ پھر چینگا۔ ”پیچھا کرو۔“

گھوڑے دوڑنے لگے۔

شیخو المعرفَ بے ثوںی جواب ”بیدل“ ہو گیا تھا.... کچھ دور تک بیدل ہی دوڑا پھر جیحِ جیح کر کہنے لگا۔ ”ہم رہے جائیت ہے باس.... ہائے پُن.... ایہہ کی مہتابی کا....!“  
نیتا الگ جھلائی ہوئی تھی۔ سرپٹ قسم کے گھوڑوں سے پسند نہیں تھی مگر اس وقت سب پر بھوت سوار تھا۔

غیرمت یہی تھا کہ مغرور گھوڑا سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ اور ادھر جنگلوں میں نہیں مزگیا تھا۔  
ورنہ شامت ہی آجائی سکھوں کی۔ کیونکہ ان اطراف میں زیادہ تر کانے دار جہاڑیاں تھیں....  
جن کے درمیان سے پکڑنڈیوں کے طویل سلسلے گھنے جنگلوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔

نیادل ہی دل میں عمران کو برآ بھلا کہہ رہی تھی.... نہ وہ تھی میں ناگ اڑاتا اور نہ اس طرح کی  
ابتری پھیلتی۔ گھوڑا تو کسی طرح قابو میں آئی جاتا۔ اس کا گھوڑا صدر جنگ کیسا تھا ہی تھا۔  
” میں اس خبیث کو دیکھوں گا....!“ صدر جنگ غرایا۔

” شرات شارٹ اور ہارڈی کی تھی باس۔“ نیتا بولی۔

” کیوں؟“

” آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے قریب چینگتے پہلے ہی انہوں نے لگا اور جیح کر ساتھیوں کو  
میرا خیال ہے کہ ہم آہستہ چلیں۔ وہ گھوڑے کے پیچے جانی رہا تھا مجھے یقین ہے کہ ضرد پکڑ لے  
گا۔“

” میں اس کے متعلق الجھن میں ہوں بے بی۔!.... صدر جنگ نے کہا اور جیح کر ساتھیوں کو  
ہدایت دی کہ وہ گھوڑوں کی رفتارست کر دیں۔



موسم بڑا اچھا تھا.... صبح سے دھوپ نہیں دکھائی دی تھی.... آسمان باد لوں سے ڈھکا ہوا  
تھا لیکن ہوا کے رخ کی بناء پر بارش کے امکانات نہیں تھے۔

کہڑا اس وقت بڑی موج میں تھا۔ لان پر ہی بلانو شی کے لوازمات مگولیے تھے اور صبح سے بیٹھا پی رہا تھا۔ روشنی اور صدر بھی ساتھ ہی تھے۔ رانی ساجد گمراہیے موقع پر ساتھ نہیں دیتی تھی۔ ہو سکتا ہے اسے اس کے پینے پلانے سے دچپی نہ رہنی ہو۔ دیے کھانے کی میز پر تو اس معاملہ میں بھی اس کا ساتھ دینا ہی پڑتا تھا۔

اس وقت صدر اس کے لیے اٹھیل رہا تھا اور روشنی مینڈولین اس کا پسندیدہ ساز تھا اور وہ اس پر کئی مختلف زبانوں کے نفعے بجا سکتی تھی۔ اس وقت وہ ایک اچینی سیرے نیٹ بجارتی تھی..... دفعنا کبڑے نے اس کی طرف انگلی اٹھائی اور جھوم کر بولا۔ ”کچھ گاؤ بھی نا۔۔۔ آج سے تم رانی کی نہیں میری سیکر ٹری ہو!“

”یہ ایک اچینی گیت ہے یورایڈ یو سکر لی۔۔۔ ایک سیرے نیٹ۔۔۔“

”بے وقت کی شہنائی۔۔۔ بے موقع۔۔۔ بے تکا۔۔۔ یہ تو مجھے کاتا چاہئے۔۔۔ تمہاری کھڑکی کے نیچے۔۔۔ کیا تم مجھے زاگاودی ہی سمجھتی ہو۔۔۔ کوئی حسین سا گیت سناؤ۔۔۔!“  
اور پھر خود ہی گانے لگا۔۔۔ جوش کی ایک روانی نظم۔

محب نوجوانی تھی اپنی بھی بیمارے نہیں بھولنے کے وہ کافر نظارے

پھر نظم ادھوری ہی چھوڑ کر بولا۔ ”اسی حسین نظمیں لکھی ہیں، اس ظالم نے کہ بعض اوقات ورڑس در تھ کو بھی جھکائی دے گیا ہے۔۔۔ وہ کیا نظم تھی۔ ”آواز کی سیرہ ھیاں“ مگر اب آج کل عقل و دانش کے پتھر چبارا ہے۔۔۔ کیوں تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔؟“

وہ خاموش ہو کر صدر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”میں کیا عرض کروں سر کار۔۔۔ شاعری و اتری میری لائیں کی چیز نہیں! مجھے تو ان لوگوں کے ہاتھ پہچانا آتا ہے جو اس صفائی سے چاقو مارتے ہیں کہ پہلے ہی جھیکے میں آنسیں باہر آ جائیں۔۔۔“ صدر نے جواب دیا۔

”مجھے ایسے لوگ پسند نہیں جن میں جمالیاتی حس بالکل ہی نہ پائی جاتی ہو!“

”میں یہی نہیں جانتا کہ جمالیاتی حس کے کہتے ہیں۔۔۔“

”تم جاتی ہو۔۔۔“ کبڑے نے روشنی سے پوچھا۔

”ان لفظ میں کہنے یورایڈ یو سکر لی۔۔۔ جوتی گاڑی اردو میری سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔“

”ایسٹھیک سنس۔۔۔ سمجھتی ہو!“

”لیک یور ایڈی یو انگریزی....!“

”اس ایڈیٹ میں بالکل نہیں ہے....!“ کبڑے صدر کے چہرے کے قریب انگلی لے جا کر بولا۔

یقیناً ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا.... کبڑے کو جھک کر سلام کیا اور پھر سید حافظ اہو کر اس طرح ہائپنے لگا جیسے کچھ کہنے سے قبل سانسوں پر قابو پانا چاہتا ہو.... کبڑا سے تیکھے پن سے دیکھتا رہا.... صدر اور روشنی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

”بکو جلدی سے....!“ کبڑا میز پر ہاتھ مار کر غریباً۔

”ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے سر کار....!“

”کس کو....؟“

”اسی پاگل کو....!“

”اوہ.... کہاں....؟“

”یک پ کے قریب.... وہ ایک خالی گھوٹے کا چھپا کر تاہو اہاں آیا تھا۔“

”بہت اچھے....!“ کبڑے کے چہرے پر سرت کے آثار نظر آنے لگے.... اس نے اپنے ہی خالی گلاس میں شراب اٹھیل کر آنے والے کی طرف بڑھا دی۔

”پیو.... خوشخبری کے صلے میں....!“

آنے والے نے ایک گھنٹا زمین پر ٹیک کر گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”یہ جاؤ....!“ کبڑے نے خالی لان چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم بہت اچھی خبر لائے ہو.... اب میں اس شرمندگی سے فجی سکوں گا جو مسٹر رحمان سے ہوتی۔“

پھر روشنی سے بولا۔ ”یہ عمران کی بازیابی کی خبر لایا ہے.... کیا تم خوش نہیں ہوئے؟“

”سم.... مجھے کوئی دلچسپی نہیں....!“ روشنی نے بر اسم نہ بنا کر کہا۔

”آچھی ادا کارہ ہو....!“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ پھر صدر کی طرف مڑ کر بولا۔ ”سیکرٹری۔ تم اس آدمی کے ساتھ یک پ سک جاؤ.... اور اسے اپنی گنڈرانی میں رکھو....!“

روشنی ابھن میں پڑ گئی.... سوچ رہی تھی کہ اب عمران شاید ہی فجی سکے کیونکہ کبڑا اس کے پاگل پن کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا اور اس کی معلومات کافر یعنی بھی خود روشنی عین تھی۔ روشنی نے جی کڑا کر کے پوچھا۔ ”اب اس کا کیا حشر ہو گا یور ایڈی یو انگریزی....!“

”حشر....!“ کہرے نے قہقهہ لگایا۔ پھر بولا۔ ”پہلے سے بھی زیادہ محبت کروں گا اس سے اس کی بچوں کی سی خوش فہمیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں براپیار الٹا کا ہے۔“

”باس!“ روشنی اخْلائی۔ ”آپ کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔“

”اوہ تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اسے سزا دوں گا....“

روشنی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

”تم غلط سمجھتی ہو.... مگر نہیں! میں اسے سزا ضرور دوں گا۔“

”میں حق کہتی ہوں وہ بہت مقصوم ہے۔ کسی نے آپ کے خلاف اسکا کہ آپ کے پیچھے لگایا ہوا گا۔ کیا کسی پولیس آفیسر سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا....؟“

”پولیس۔“ کہرے نے حیرت سے کہا۔ ”ارے پولیس والے تو میرے نور نظر اور لخت جگر بیس بھلانے سے کیوں جھگڑا ہونے لگا میرا....؟“

”پھر میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ آپ کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے... بہر حال اسے معاف کر دیجئے۔“

”ایک شرط پر!“ کہرہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔

”شرط.... میں نہیں سمجھی....؟“

”میں اسے یونہی بلا معاوضہ معاف کرنے سے تو رہا....!“

” بتائیے.... آپ کیا چاہتے ہیں!“

”ایک بار پھر اونٹ پر بیٹھو،“ کہرہ ادانت پر دانت جما کر حلق کے مل بولا۔ ایک دوسرے پر مغبوٹی سے جنے ہوئے دانتوں سے سکاریاں سی نکل رہی تھیں۔

روشنی بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور کہرہ آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”بولو تیار ہو....!“

”یہاں.... لان پر....!“ روشنی خنک ہوتنوں پر زبان پھیر کر بولی۔ ... سوکھتے ہوئے حلق میں تھوک بھی اٹکنے لگا تھا....

”ہاں.... کیا حرج ہے....؟“

”مم.... مگر....!“

”کسی کو بھی اس پر حیرت نہ ہو گی.... سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں.... کسی کو اتنی بہت نہیں کہ رک کر ہماری طرف دیکھے بھی سکے.... سب کچھ حسب معمول رہے گا....!“

"مم... مگر... رانی صاحبہ...!"

"وہ میرے محاذات میں دھل چکی دلتی... امیر جنہیں اس سے مانگ چاہوں..."  
"پھر بھی... بھائی نہیں... تو شیخی۔"

"غیر... پھل تو اندھے چلیں۔" کہراں تھا کیا۔

## O

کئے جو گل کے درمیان تھوڑی سی سطح اور صاف ذہن تھی، جس پر متعدد چھوٹے اہلیاں نصب ہیں۔ قریب عی ختن چار گھوڑے چڑھتے تھے۔ چھوٹے اہلوں سے کاہے گاہے قیچیہ لٹک رہتے اور کبھی کبھی کوئی سببہ ہجوم آوازیں کاٹتے لگتا۔...

ایک طرف دو بانسوں کے سوارے ایک پورڈ لکھ رہا تھا جس پر تحریر رانی صاحبہ ساجد،  
مگر کاٹھا کر کرپڑا۔ "یہاں رانی ساجد گھر کے کچھ ٹھکری بھی مقیم رہتے تھے۔ جن کا کام تھا کہ  
 محل میں روزانہ ٹھکر پہنچایا کریں۔"

صدر اور اس کا ہمراہ ایک چھوٹے اہلی بھل دا گھنی رہتے۔ ملئے ہی ہماریں بیسوں سے  
 جکڑا پڑا تھا اور دو فکاری باتوں میں زانٹلیے اس کی گھر ان کو رہے تھے...!

"ہم نے غلطی تو نہیں کی...." ہمراہی نے موڑ کر صدر سے پورے جھلک

"نہیں... وہی ہے!" صدر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دید۔

غم ان نکلیں جپکائے بغیر چھوٹے اہلی چمٹت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کی آوازیں سن کر  
بھی اس کے پس پر کو جنیں نہیں لے سکتے۔

صدر پڑت لئے خاموش کر دیا تھا۔ ہمراہی اور ٹھکر لٹکنے والے تھے تو اگر کوئی باستثنے ہو۔ میں خود  
بھرائی کروں گا... مگر مٹھردا... یہ با تحدی کیے کیا۔

ٹھکر لٹکنے والے تھے ملکیت نے کھنکا کر جل صاف کیا پھر بولا۔ "ایک ایسے گھوٹے کا تھا تاب  
کر ڈاہو اور مکمل آیا تھا جس کی زین خالی تھی...." ہم نے گھر تاچاہا تو مر نے ملاحتے پر آگاہ ہو

گیا۔ دو فکاری رنگی ہونگے کسی طرح ٹکڑا میں نہیں آتا تھا۔ انہر چھپ لکر جیل پہنچا گیا۔... تو  
کامیاب رہی۔ جال میں الجھ کر گرا۔ تو اور دیوچ لایا گیا۔

"مہت اچھے!" صدر سمجھ لیا۔ "تمہارا ڈاٹی بہت پالا لکھ ہوا!"

”شکریہ جناب....!“

”اب تم لوگ جاسکتے ہو! ہمچک دی گرفت کے آنے تک میں خود اس کی گرفتاری کروں گا۔“  
وہ سب باہر نکل گئے اور صدر کی خواس کے ایک فولادی اسٹول پر پہنچ گیا تھوڑی دیر تک اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ پھر انھوں کر چولداری کے درجے آیا اور ادھر اور ادھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ پھر پینا اور سید حامران کی طرف چلا آیا۔

”مجید کھل گیا سر کار۔“ اس نے جھک کر آہستہ سے کھل۔

”کیا مطلب....؟“ عمران نے اپنی پوزیشن میں تبدیلی کے بغیر چھستی کی طرف دیکھتے ہوئے کھل۔

”اس نے روشنی کوئہ جانے کس طرح پھسلا کر ہب کچھ معلوم کر لیا۔ روشنی ہتراف کریں گے کہ آپ پاکل نہیں اور اس نے آپ ہی کے ایسا پر لفی ساجد گر کی ملازمت کی ہے۔“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے کا ہیسے گلے میں پہنچ ہی سے جو ہم دیکھ رہا ہو۔

”اب اپنی فکر کیجئے....!“ صدر نے پھر دریختہ کھل۔

”پروہ نہیں.... میں نے اب اسکیم بدلتی ہے....!“ عمران نے کہا اور آسکھیں بند کر لیں.... قریب کی چھولداری میں پھر کوئی بے ہنگمی آواز میں گانے لگا۔

## O

صدر جنگ اور نینا کے گھوڑے پر اپر سے دوڑ رہے تھے.... لیکن اب وہ سڑک پر نہیں تھے۔ دو روپیہ تکنی چمالا یوں کے درمیان ایک کپار مرتھ تھا۔ تھا جنگ کہ بھٹکل دی گھوڑتے ایک ساتھ جل سکتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار زیاد تھیں نہیں تھی۔

”اب بتاؤ....“ صدر جنگ غریل۔ ”آخر دی ہواند جس کا ذریق گھوڑا بھیگی میں مزگا۔.... اور وہ بھی ہاتھ سے گیاد۔“

”شارٹ اور ہارڈی کی حرامڑی کی...“ نہایتے جو مجبوب ہے۔ ”ان کتوں نے اسے بچا دکھانے کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ مجھے یقین ہے، باس کروہ مردالا آدمی نہیں...!“

”تم اس کی طرفداری کر رہی ہووا“ صدر جنگ نے نہیں لمحہ میں کہا۔

”پھر شریف آدمی کو دسرے شریف آدمی کی طرف بدلی کرنی ہی چاہئے۔“

”شریف... میسر ڈی... بکاؤں... لا کیاں ہر خوبصورت آدمی کو شریف کر جائیں ہیں۔“

نینا نے پر اساتھ بیٹھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ ان کے گھوٹے سے آنکھے بڑھتے رہے۔ شیخ شاہ اللہ

شادی اور فرشتی کرامت علی ہدایتی ان سے تقریباً بیکار اس گز کے قابلے چڑھتے۔ ان دونوں نے بھی اپنے گھوٹوں کو بہیز کی اور ان کے قریب بجھ کر کے

”دیکھ لیا... باس... گھوڑا بھی لے کریا...!“ شادی نے حکم لجھ میں کہا۔

”تم تو فرتو...!“ نینا بول پڑا۔

”بھج سے نہ لجھنا...!“ شادی غریا۔

”چپ بے... مدد و اذی بھی نہیں بھی عمروم کر دوں گا!“ صدر جنگ نے غصیلے لجھ میں کہا۔

”جنوں تک مدد و اذی جائیں گی۔“

”اسے نہیں دیکھتے باس...!“

”وہ ٹھیک کہتی ہے۔ تم دونوں نے اس کے قریب بکچتے ہے پہلے ہی کام کیوں چھوڑ دی تھی؟“

”یہ جھوٹ ہے!“

”مجھے گھوڑا نہیں ہے جو اڑا کے۔“ صدر جنگ نے گھوڑا دوک لے لیا۔ وہ بھی رک گئے۔

صدر جنگ نے شادی کی جانب گھوڑے کا رخ موڑ اور اسے خونوار نظروں سے گھوڑا نہ کا۔

”بے... باس...!“ شادی خوفزدہ لجھ میں بھکایا۔

”ہارڈی پاچ گھنٹے خود...!“ صدر جنگ نے ہارڈی کی طرف، مڑ سے بغیر ہو شادی کو بد صور

گھوڑتے ہوئے کھا پھر بختی سے ہونٹ بھج لیے۔

”جب... باس...!“

”شیخ اپنے... ہارڈی!“

ہارڈی گھوڑے سے کوڑا اور اپنے دو اپنے بیڑ کا جھٹا ہاندے رہا۔ شادی اچپ چاپ

گھوڑے سے اڑ آیا تھا۔ پھر فرشتی کرامت علی ہدایتی نے شیخ شاہ اللہ شادی کے منڈے ہوئے سر پر

گن کر پہنچ گوتے رہا۔

یہ سب کچھ اجنبی سنجیدگی سے ہوں گی کہ ہوت چو خیف ہی سکرہٹ بھی نہیں تھی۔

شادی اپنی کھوپڑی ٹوٹا ہوا پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر وہ بائیں کچھنے ہی دا لے تھے

کہ اگلے موڑ پر گھوڑے کی ناپیں گونجتے لگیں۔ پھر ایک گھوڑا سوار دکھائی دیا جس نے ایک خالی گھوڑے کی لامبائی بھی پکڑ لی تھی۔

ان لوگوں پر نظر پڑتے تھیں اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ میر صدر جنگ پر نظر پڑتے تھیں بڑے ادب سے سلام کیا۔ “یہ گھوڑے سر کاری کے فارم کے معلوم ہوتے ہیں....!”

”تم کون ہو....؟“ صدر جنگ نے گوئیں آدلاں میں پوچھا۔

”میں رانی سجاد گفر کا شکاری ہوں.... جو شخص آپ کے گھوڑے لے جاتا تھا اسے ہم نے پکڑ لیا ہے.... اب میں یہ گھوڑے سر کاری کو شی کی طرف لے جا رہا تھا۔“

”وہ ہمارا آدمی ہے.... چور ہمیں ہے۔“ صدر جنگ نے سخت لہجے میں کہا۔

”پچھے نہیں سر کاری... ہمارے میر شکاری نے تو اس کو باندھ رکھا ہے.... ہم نے جاں ڈال کر بڑی مشکل سے اسے قابو میں کیا تھا۔“

نینا اپنا نچلا ہونٹ چباتے گئی۔

”باندھ رکھا ہے....؟“ صدر جنگ دھڑکا۔ اس کی بھروسی تن گئی تھیں اور سرخ سرخ آنکھیں حلتوں سے نکل پڑی تھیں۔

شارٹی اور ہارڈی نے بڑی اور بڑی کے دستوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور شکاری کو خونخوار نظروں سے گھوڑوں سے تھے۔

”کیوں باندھ رکھا ہے؟“ صدر جنگ پھر گھڑ کے سامنے کیا عرض کر دیا۔

”میں... میں... کیا عرض کر دیں گا سر کاری...“ میر شکاری ہی جانتے تھے۔

”کھڑا ہے تمہارا ایک پ.....؟“

شکاری نے ایک طرف ہاتھ اٹھادیا۔

”چلو....!“ صدر جنگ نے رخ موڑتے ہوئے گھوڑے کو ایک لامبائی... اور... کیجھ تھی دیکھتے وہ اس شکاری کو بہت بیچھے چھوڑ گئے۔ خالی گھوڑے کی لامبائی اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

## O

کبراء عراں کے قریب ایک فولادگ سہول پر بیٹھا اسے گھوڑا رہا تھا۔ صدر اس کے بیچھے کڑا تھا۔ عمران بوی دیرے پلکنے جمکانے بغیر چھت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا حجم اب بھی

رسیوں سے جگنا ہوا تھا...!

”تو تم نہیں بولو گے....!“ کبڑے نے جک کر اس کی آنکھوں میں روکتے ہوئے کہد  
”ارادہ تو نہیں تھا!“ عمران نے بھرائی ہوئی آنکھیں کہد۔ ”لیکن اب یوں لاتا چاہی پڑے گا... تاؤ  
کیا چاہیے ہو!“

”سیدھی طرح راہ پر آ جاؤ...!“

”چلو آ کیا.... پھر....!“

”تم میرے پیچے کوئی پڑ کئے ہو...؟“  
”نادر الوجود ہو یا نہیں!“ عمران آنکھ دکھ کر مسکرا کر تلاں سب سجد ہو گیکیں لٹو ہو رہی ہے  
تم پر... میں دراصل تمہیں اپنے ابم میں چپکانا چاہتا ہوں۔“

”تو تم ہاگل نہیں ہو...!“

”قلی نہیں....!“

”پھر ڈھونگ رچانے کیا کہا ضرورت تھی؟“

”میرا خیل ہے کہ تم بھی زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد اکما جائیتے ہو۔“ عمران نے حواب دیا

”تو پھر...!“

”میرا بھی سمجھا حال ہے....!“

دھنکا باہر سے شور کی آفٹنگ آئی... اور وہ جنگ پر کبڑے نے ہاتھ ڈال کر صدر سے کہد  
”دیکھو...!“

صدر بہر چلا گیا۔ لیکن عمران تو اس شور میں صدر بھکنسکی آواز پہلے ہو چکیاں چکا تھا۔ اس  
نے پھر کبڑے کو آنکھ ماری اور لفکوں کے سے انداز میں مسکرا کر  
اتتے میں صدر داہیں آسیا۔

”کیا بات ہے....?“ کبڑے نے پوچھا

”چار سوار ہیں... یور اڑو بکرنگی جو اپنے کسی آدمی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔“

”کون نہیں...?“ کبڑا اٹھ کر دھواں کی طرف چھپا لیکن پھر اس طرح رکھ گیا چیز  
الیکٹریک شاک لگا گیا۔

”تاؤ... تم ہو... حراہز اے...!“ عمران نے صدر جنگ کی آواز صاف سیکھی۔

”اُرے.... یورہائی نس....“ کبڑا دھنڈا مکرایا۔ ”تے بے نصیب تعریف لائیئے۔“

پھر وہ اٹھے پاؤں بچھے ہٹ گیا۔

صدر جنگ اور اس کے تینوں ساتھی چھوٹے اڑیوں میں کھس آئے....

”اوہ....“ صدر جنگ عمران کی طرف دیکھ کر غریل پھر کبوترے کی طرف خونخوار نظروں

سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم نے جرات کیے کی.... کیا اس تے میرا نام نہیں لیا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا! یورہائی نس....!“

”اُسے فرما کھولو دو۔ ورنہ خون خراپ ہو گا۔“ صدر جنگ نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”میں وجہ ضرور پوچھوں گا! یورہائی نس....“ کبوترے نے ہاتھ سے لوب سے کہا۔

”یہ ہمارا آدمی ہے....!“

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ کبوترے نے کہا۔ ”میں کوئی پرسوں نہ کریں۔ رانی صاحب کا مہمان قاتا اور سرکار کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ یہاں کی بھی بھی ہے۔ رات کو جب سب سورے تھے یہ کسی طرح محل سے بھاگ لھا تھا۔“

”اب تو میں اس کے پیچا کا بھی مطالبہ کروں گا.... اسے بھی فرو اولہیں کرو۔ ورنہ سابد گز کو ہجتہم بنا دیا جائے گا.... مجھے عرصہ سے کسی بہانے کی تلاش تھی۔ بھجے کزو پشت نکل رہا ہے....!“

کبڑا مسکرا تاہا۔ صدر جنگ کی گالیاں اس کی پیٹانی پر ٹکلن نکستہ لا سکن البتہ آنکھوں سے تمشک ضرور جھلک رہا تھا۔

”میں نہیں جانتا کہ آپ کس پیچا کا تذکرہ کر رہے ہیں.... لیکن اس کے باپ کو ضرور جانتا ہوں.... آپ بھی نام سے واقف ہی ہوں گے۔“

”کس کے نام....!“

”اس کے باپ کے....!“

”لیا بکواس ہے....!“

”جس عرض کر رہا ہوں ہر کوئی۔ یہاں تک جسیں بیویوں کے والوں کی شر جزل منظر جملہ کا لڑکا ہے۔“

نیٹا نے عمران کی طرف آنکھیں چھاڑ کر دیکھا اور پھر جدت سے ٹکلیں جھپکانے لگیں۔

”تم جھٹکئے ہو....!“

"کیوں سکر رہی...؟" کہا صدر کی طرف مڑا  
"تھیں... یہ ذرا یکثیر جزاں میں صاحب کے صاحبوں کے ہیں۔" صدر نے پہلے دب  
سے کہا۔

"نکوں نہیں سنوں گے۔" صدر جنگ نے کہا پھر شدی اور ہڈی کی طرف ہٹ کر کچھ اٹھا  
کیا۔ دو دنوں باہر چلے گئے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر یہ کہا صدر جنگ نے دوست ہو لئے سے  
ریو الور کھل لیا اور صدر اور ہمک کو کو کرتا ہوا نہیں سے واپس عمران کی رسیاں کھول دیں۔

شدی اور ہڈی کو شاید اسی نے باہر کھجتا تھا کہ دوسری کے شدیوں کو سنبھال رکھیں۔  
"آپ بہت برا کر رہے ہیں یورہانیں تو۔" کہاے نے دو دنوں باہر ہو پر اخاتے ہوئے کہا  
"خاموش لوگوں کے پیچے... تیرہی زمیں یہ جاستی ہوئی کہ تم تھا آنکھیں چار کر کے۔"  
کہا پکھنے والا صدر نے کہیا تھا اخداد ہے تھے اور ان طرح جنگ جپکارہاتی ہے جو شیش  
کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو... ختم دوڑو اور چھٹی عمران کی رسیاں کھولتی رہی۔  
عمران ہو لے ہو لے کہا تھا "اوکھا بارہا تھا" ہوا اور دھوکہ بائی پیمان میں... ان لوگوں نے  
مجھ پر جال پھینکا تھا۔

"اتھہ دلی صاحب کو غصہ دلانے کا سلسلہ کرو رہے ہیں یورہانیں۔" کہوئے نے کچھ دیر بعد کہا  
"وہ کیا بکار لے گی میرا۔ صدیوں سے ہم لوگ ایک دوسرے کے خلاف صفت آ رہے ہیں۔"  
"آنکھیں دن کا نہ تھا لد گیا سر کار... لیکن اُن نڑا برابر ہوا تو قوتی حکومت کا ایک میتوں سا  
قہانیہ اور بھی لال جلی آنکھیں دکھاتا ہوا چڑھ دوڑے گے۔"

صدر جنگ نے آج جنگ کسی کی بھی پوچھ نہیں کی۔ سمجھے... تمہاب اپنی زبانی بذر کو  
گندے سور... ورنہ ٹھوکروں سے ادا کر کر دوں گا...."

بننا عمران کو کھوں جکی تھی اور وہ سامنے کھڑا ہیں کہا کہا نکلا اپنی سلسلہ تھا۔  
چھر اس نے اور لوسر دیکھ کر صدر کو آنکھ رہی... کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں  
چل دوسرے ہی لمحے صدر نے کھلا کر کہوئے کو خاطب کیا۔  
"املاکت ہے اور ایذیو عکسی۔"

"نہیں!" کہوئے نے خت لمحہ نہ کہا۔ "میں جھوٹ نہیں پسند کرتا۔"  
"یورا بیڈیو عکسی ا" صدر جنگ نہیں پڑا۔ "خاطب نہ کر لادبے... بیل۔"

”میں پھر سمجھی کہوں گا کہ یہ محل کا مہمان ہے۔“ کہڑے نے کہا۔ ”ڈائریکٹر جیزل رحمان صاحب بھی پسند نہ کریں گے کہ ان کا لڑکا آوارگی کرتا ہو ہے... یہ اپنی یاد و اشت کو بیٹھا ہے۔ رانی صاحب نے تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے روک لیا تھا...!“

”میں...؟ تم ڈائریکٹر جیزل رحمان صاحب کے لئے کہ تو؟“ صدر جنگ نے عمران سے پوچھا۔

”نہیں باس! میں تو ایک معمولی سماستری زادہ ہوں...!“

”تم ان لوگوں سے بندوق ہونا چاہتے ہو!“ صدر جنگ نے کہڑے سے پوچھا۔

”بندوق!“ کہڑے نے حیرت سے کہا۔ ”کن لوگوں سے؟“

”اس کا بچا کہاں ہے...؟“

”کون بچا...؟ میں نہیں سمجھا۔ یہ محل میں تھا ہی آیا تھا...!“

صدر جنگ چدی لئے کچھ بیچنا رہا پھر بولا۔ ”میری خالدی اقامت گاہ تمہاری عی گھرانی میں قیمتی تھی؟“

”جی ہاں... مجھے یاد ہے!“ کہڑے نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

”تم نے اس میں تہہ خانے بھی بنائے تھے؟“

”مجھے تیار نہیں پڑتا... میں نے ہی پلانگ کی تھی... لیکن تہہ خانے... نہیں پورا ہائی نس... اس میں تہہ خانے نہیں ہیں۔“

”یہ!“ صدر جنگ آنکھیں کھل کر بڑا لے لیا۔ ”کوئی آئے دن وہیں جو ہنگامے ہو سکتے رہ جے ہیں ان کے بھی ذمہ دار تم عی ہو...!“

کہڑے نے عمران کی طرف دیکھ کر پکیں جمپکائیں... اور پھر صدر جنگ کو خاطر بکر کے بولا۔ ”میں کچھ نہیں سمجھا یورہائی نس...!“

”تم لوگ مجھ سے وہ کوئی خالی کریٹا ہوچکے ہو...!“

”آپ کی ساری پاتیں حیرت انگیز ہوئی ہیں۔“ کہڑے سکر لیا۔ ”آپ ہر محلمے میں چوڑا دینے کے عادی ہو گئے ہیں یورہائی نس...!“

”وہاں تہہ خانے موجود ہیں...!“

”تو پھر ٹالاش کر جئے۔“ کہڑے نے لاپرواں سے جواب دیا۔

”میں سارے فرش کھدا واؤں گا۔“

”آپ کی سر نمی... بالکل نہیں۔“

”چلو...!“ صدر جنگ عمران کی طرف تیز

”یہ نا ممکن ہے...“ کہڑا بولا۔

”روک کر دیکھو... جنم کلہنہ کھول دوں گے“

کبڑا تھوڑی دیر تک کچھ سوچا رہ۔ پھر لمبی سانس لے کر بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ لیکن میرا فرض ہے کہ رحمان صاحب کو مطلع کر دوں۔“

صدر جنگ نے ریو اور ہو لشٹر نیچے کھلا کر بڑے اور صدر نے ہاتھ گرا دیتے۔

”مگر پچاہان کے بغیر تو بندوق ہرگز نہ مل سکتے گی۔“ رحمان خنے میوسدہ انداز میں سر پلا کر لگا۔

”تم جعلوں میں سب دیکھ لوں گا۔“

صدر نے کبوڑے کو دکھانے کے لیے صدر جنگ پر جھینا چا۔ لیکن کہڑا اس کا بازو دکھوئا ہوا بولا۔ ”لیکن یہ کہت بڑتے آدمی ہیں۔ لیکن کہڈ رانی صاحب خود ہی سمجھ ہو جائیں گی!!“

”اس سے کہتا... کبوڑوں کی پوری فرضیتے کر آئے تھے میرے یقیناً پر!“ صدر جنگ نے

تھہہہہ لایا۔

وہ باہر لگئے۔ شارٹ ہو رہا تھا اور انی کے وہیوں کو کوہ کچھ دیکھے کھڑے تھے۔

وہ خدا کبوڑا ہی بولا۔ ”کوئی کچھ نہ ہو لے...، انہیں جانے دو...!“

صدر جنگ نے شارٹ اور ہرڈی کو اشتادہ کیا۔ انہوں نے مجی اپنے ریو اور ہو لشٹروں میں رکھ لیے۔

وہ دکھاری بھی بیچ میں بھی چکا تھا جس کے پاس صدر جنگ کے دونوں گھوڑے تھے۔ کہڑے نے پہلے ایسا بے انہیں صدر جنگ کی خدمت میں مل میش کر دیا۔ کچھ دیر صدر جنگ اور اس کے ساتھی مع عمران ایچی کہپت کی طرف جا رہے تھے۔



بلیں ساجد گھر فون پر ”لائی بلیٹر“ ملٹے کی منتظر تھی ہو رکبر کا قریب عی کھڑا جھکی کی چسکیاں لے رہا تھا اور انی کے چھپے پر شدید ترین غصے کے آمد تھے۔ بھی وہ قبر الکوڈ نظر وہی سے فون کو گھوڑتی اور کبھی کہڑے کو....

وغلتا فون کی گھنٹی بجی اور رانی نے رسیور اخراجیا۔ دوسری طرف آپریٹر کی آواز آئی۔  
”ہیلو... لائئن کلیسٹر یورہائی نس.... آپ دارالحکومت سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔ ...!“  
”ٹھینکس۔“ رانی نے کہا۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ... سترل اٹھلی جسی یہودیوں کے ڈائریکٹر جزل مسٹر رحمان کو  
خاطب کر رہی تھی۔

”لیں... یورہائی نس....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہمیں افسوس ہے مسٹر رحمان کو صاجزاوے پہلی سے چلے گئے۔“

”پہلاں چلا گیا...“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”رات کو کسی طرح پھرہ داروں کو جلد دے کر نکل گئے... اور اب نواب صفوہ جنگ کے  
ساتھ ہیں۔“

”یہ تو بہت برقی بات ہے۔ صفوہ جنگ مجھے پسند نہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اب نہ وہ اس کے پاس سے آنے پر رضامند ہیں اور نہ صفوہ جنگ ہی انہیں چھوڑ رہا ہے  
مرنے مارنے پر آمادہ ہے۔“

”اوہ... خیر آپ فرنڈ سچھے میں دیکھ لوں گا...“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

پھر رانی نے سلنڈر منقطع کر دیا اور کبڑے کو گھومنے لگی۔ جواب بھی وہیں گمراہ ہیکی کی  
چیکیاں لے رہا تھا۔

”ھمی! میں تم سے بے حد خفاہوں!“ اس نے کہا۔

”میرا قصور... ڈارلنگ...!“ کبڑے نے نظریں ٹالائے پنیر پوچھا۔

”وہ صرف تمن تھے... اگر تم ہماری کتنے ہی چھوڑ دیتے تو ان کی بوئیاں بھی نہ ملتیں۔“

”میں بہت اسکن پسند آدمی ہوں ڈارلنگ...!“

”میں تمہاری ساری حرکتیں برداشت کر لیتی ہوں۔ لیکن تمہاری اسکن پسندی نے مجھے بے  
حد تکلیف پہنچائی ہے۔“

”دنیا دار اگن ہے ڈارلنگ...“ کبڑا غناک بیجھے میں بولا۔ ”اور ہر ایک کے غم الگ  
ہیں... تمہارے لیے میری اسکن پسندی باعث غم ہے... اور مجھے اس بات کا غم ہے کہ تمہوا  
خصر پری جلدی اتر جاتا ہے۔“

"کیا مطلب...؟"

کہا جواب دیے بغیر کپ بورڈ کی طرف مل گیا۔ بوالی اٹھا کر گلاس میں اٹھا یا اور سوڑا  
والٹا لئے بغیر ہی پینے لگ۔

"تمہاراول چھٹی ہو کر رہ جائے گا... اب سوڑا بھی نہیں ملتے۔ تو ان نے کہا۔

"مگب تھیں تھا۔ یہ دل تو چھٹی ہی سے چھٹی ہے..."

"فضول پاتھی نہ کرو۔ بہت زیادہ پینے کے نہ ہو۔"

"آجی بڑی رانی ساہب گر کا شوہر اب اتنی بھی نہ ہے...!"

"یکواں نہ کرو۔ لگن تم بھی ہرگے تو میں کیا کروں گی...?"

"ہاں... یہ بادھ دیتی قتل فور ہے۔ تھوڑتھوڑتے جیونگی سے کہا ہو۔ لہر جیونگی ہی سے  
کچھ سچتے ہیں لگ۔

پھر کرسے کی قضا پر خاموشی ملنا۔ "آنی جوالی کے خدو خذل کا تکھاپن عائب ہو گیا تھا۔ اس  
کی جگہ ججے پر ایک غم اکوہی زندگی بھیں۔

اس نے اپنی سخوم آنکھیں اٹھائیں اور چھپر سے بول۔ "تم اسے بے درد کیوں ہو؟"

"میں لا کردا۔" بھل پڑا۔ "تمن تو اسے میں بے چارہ۔ ایک خیر سا کوئہ  
پشت... اسی صورت ججک سے کھلیں کیا کر کر پاؤں... آجی عزت خریت کرو...!"

"میں صورت ججک کی لاش سر کوں پر گھٹوانی پھر وہن کی لا تھوڑتھوڑتی کو پھر ضر آکیا۔ پھر  
لئے وہ خاموش رہی پھر بولی۔ "تم دیکھ لیا۔ اب یہاں ہو گا... بہت دن سبز کر بھل۔"

"ہرگز بھل... کبھے نے تم لجھ میں کھلدا۔" اگر وہ کہیں ہے تو تم بھی کبھی اپنی سماں سے  
گرجائیں... آدمیت یہی چھ ہے ڈالنگ۔ اگر یہ ضلائع ہی تو پھر آدمی کو کھال ہی سکھو۔

اب مجھے دیکھو... میں اپنی آدمیت برقرار کرنے کے لئے ہر طرف سے جوتے کھانا پھر تاہوں...  
وہ سختے دیکھ لرتے ہیں... اور میں خوش ہوتا ہوں کہ میں نے پلٹھ کو اپنی بچہ نہیں کھل کردا۔

"تم کہا جسے ہو؟" رانی نے دامت ہیں کر کھل۔

"لکھ سے بھل کوئی تباہہ لا جائی چھ۔" کہا جیونگی سے سر ہلا کر بولا۔

وہ خوبیں خاموشی سے پھر کچھ سچتے ہیں۔ کھانا تھا اس وہ سکھ کی چھکلیاں لیتا رہا۔  
کچھ دیر بعد رانی نے کہا۔ "ہمیں..."

”نہیں۔“ کبڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم مجھے بے پوچی کہا کرو....!“

”کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو....!“

”تمہیں کب یقین آئے گا ذارِ نگ۔“ کبڑے نے بڑے پیار سے کہا۔

”بے پو....!“ رانی چرانے کے سے انداز میں سکرائی۔

کبڑے نے گلاں کپ بورڈ پر کھ دیا تو بالکل کتوں کے سے انداز میں رانی کے گرد گوم ناج کرائے سو گھنٹا شروع کر دیا ساتھ ہی ”چوں چوں“ بھی کرتا جا رہا تھا۔

رانی بھتی اور اس طرح دوسری ہو ہو چاتی تھی جیسے کوئی گد گدیاں کر رہا ہو۔

”ھمی....بس....!“ وہ بھتی ہوئی اخلاقی۔ ”کب نہیں پشا جاتا....!“

”ھمی نہیں ابے پو....!“ کبڑا اسی طرح ناچتا ہو دو انت پر لافت تھا کر بولا۔

”اچھا....بے پو....اب بس....ہائے اللہ....!“ وہ بھتی ہوئی دوسرے کرے کے

دو رانے کی طرف بھاگی.... اور کبڑا ادانت پر دو انت بھائے ہوئے اسی طرح ”چوں چوں“ کرتا

اس کے پیچے دوڑتا چلا گیا۔

## O

صدر بجگ کے یکپ میں جشن برپا تھا۔ یکپ کے ہوئے آج قیصر بدن تھا۔ اس دوران میں اس کے چند احباب بھی بغرض فکار دار اکھومست بے آگئے تھے۔ آج کل وہ انہیں ہی انٹر ٹین کر رہا تھا۔ ان میں دو شاعر بھی تھے۔

عمران شدت سے بور ہو رہا تھا۔ ابے ڈاکٹر دوڑ کی ہمرا تھی۔ وہ تواب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ کھل کر مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ صدر کے بیان کے مطابق کبڑے نے روشنی سے کچھ کچھ تو انکھوں ہی لیا تھا۔ اسکی صورا تھاں بیدا ہو جانے کے بعد پر دوہ داری کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اور پھر وہ مقصد تو بھی کا حاصل ہو چکا تھا جس کے لیے عمران نے پاگل یعنی کاڈھوگ رچانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اب تواب سے کھل کر سامنے آ جانا چاہئے تھا۔ ویسے کھڑے کے ظافٹ ٹھوٹ بھیم پچالینا یوں بھی مشکل ہوتا۔ کوئی بھی عدالت اسے تسلیم کرنے پر بتا رہا ہو تی کہ وہ کبڑے ہی کی وساطت سے ان تہہ خاؤں میں پہنچا ہو گا جہاں ڈاکٹر دوڑ سے ملا جائے ہوئی رہی۔

خود ڈاکٹر دوڑ نے کسی کھلے کے وجود سے لے گئی ظاہر کی تھی پھر خود درمان صاحب نے کئی دنوں تک اسے بند کرائے رکھا تھا اور اذیت رسائیوں کی بھد کروی تھی۔ مگر۔ کیا اس سے کچھ

اگلو لینے میں وہ کامیاب بھی ہوئے تھے؟... وہ تو کسی کچھ سی کی طرح سخت جان اور حکومت خود  
 عمران صدر جنگ سے اس کے متعلق اور بھی معلومات حاصل کرنا پڑتا تھا لیکن ابھی تک  
 موقع نہیں مل سکا تھا دون بھرپور اور رہت کو محفل گرم ہو جائی۔ پر اسجاودو کافی تک دو رپڑے  
 نہیں مل سکے کہ کبھی کبھی کوئی شکاری ناچلتے لگتا اور اس کے ساتھ سبھی انہوں نکرے ہوتے لیکن  
 صدر جنگ نے کی عالیت میں اعتماد قرار دی تو ایسا کہتا۔ اس پوری بیسیز میں بھرپور اور سختی سے جنمیں  
 شراب سے دچکی نہیں تھیں۔

آن بھر حصہ معمول سورج غروب ہوتے ہی روشنیں ملے گئیں تھیں۔ صدر جنگ نے  
 عدوں کی شرارت کو امامت کے ساتھ کی فراہوش کی تھی۔ مجھے ہم ایک سانچہ پیاس کھول کر  
 مستقبل کر پیشے عمران ہاتھ جوڑ کر کھدا ہو گیا۔

"سرکار! اس نے بھی عاجزی سے پچھا۔ "بھر مالی اونتھ ہو گئی۔"؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں کیا۔" شاہزادے بھی بھی عاجزی سے محروم فاہر کی۔

"شہر کا تقدیر کرنے سنتے ہیں کان پکے نکھلیں۔" غزل میں کہا کہم ایک شعر اس طرز پر پایا جاتا  
 ہے جسکی لفظ شہر موجود ہو۔"

شاہزادے غیر ارادی طور پر پیاس کے سمع پر نظر دوڑا۔... پھر مکراتے اور  
 بولے۔ "میں ہاں... اتفاق سے ایک شہر موجود ہے جس میں شہر کا تکرے ہے۔... بگروہ شہر  
 آرزو ہے۔..."

"وہ تو اور زیادہ بیور کرتا ہے!" عمران نے زیادہ عاجزی سے کہا۔ "مکافون دکافون اور سرگوں  
 دلے شہر سے جی نہیں کھرا ہا۔... البتہ جو یہ سنتے ہیں شہر آپ لوگوں نے پیدا کر لیے ہیں مجھے  
 بوکھلا کر کوئی دیسیں ہیں۔"

"بیٹھ جاؤ... بیٹھ جاؤ۔" صدر جنگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔  
 عمران تھکران انداز میں سر ہلا کر ہوا بیٹھ گیا۔ اس شاعر نے غزال سنائی۔... اور خوب دو  
 دصول کی کوئی۔ بھی سخن نہیں ملتے۔... حتیٰ کہ ایک شخوں المرووف پر وہی نہیں بھی بیٹھ رہا۔  
 مل کر فرمایا تھا۔ ہمے بیدن میں نیک گھست بھروسے۔

دوسرے شاعر نے غزال اتنے سے پہلے عمران سے کہا۔ "آپ تو بہت بڑے مخدود معلوم  
 ہائے باب دے... اتنا پچھا کاتے ہو۔"

ہوتے ہیں... ذرا یہ غزل بھی ملاحظہ فرمائیے گا۔“

عمران نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھا کو کہا۔ ”سر و چشم...!“

یہ صاحب اپنے ساتھی سے بھی زیادہ ”مترنم“ ثابت ہوئے... شخوذ ایک شعر پر اچھل کر باقاعدہ تاپنے لگا تھا،

غزل ختم کر کے ان شاعر صاحب نے فخریہ اندرالٹیں عمران کی طرف دیکھا... پھر بڑے دلاؤز انداز میں مکراۓ... مجھ بے ہنکام پر اچھی سی نظر ڈالی اور پھر بولے۔ ”فرمائیے جناب غزل کیسی رعنی... اس میں تو شہر نہیں آیا...“

”سرور فرماؤں گا۔ ہر چھد کہ اس میں لطف ہم نہیں آیا... اللہ کا لکھ لائے احسان ہے مجھ پر... لیکن...!“ عمران نے کہا اور سید گی سے ایسا پوز طیار ہجھے کی اہم سٹنڈ پر غور کر دہا ہو...!

”لیکن کیا...?“ شاعر صاحب اسے گھوڑ کر دے گیا۔

”یاد پڑے نہیں کیوں ایسا معلوم ہوتا ہے جب تم بب کسی ایک ہنی استاد سے غزل کھلالاتے ہو... مشاہروں میں سنا ہوں... رسالوں میں پڑھتا ہوں... سکھوں کا ایک بھی رنگ نظر آتا ہے... خدا بھلا کرے فیض صاحب کا کہ انہوں نے اپنے بعد پھر کوئی اور بھل شاعر پیدا ہی نہیں ہونے دیا... صرف وہ، تکن اس بھیرے سے الگ معلوم ہوتے ہیں... جبھے جمیل الدین علی... اور جعفر طاہر وغیرہ... آگے رہے نام اللہ کا...!“

”اچھا...!“ شاعر صاحب نے جلا کر کہا۔ ”سرور جعفری کے متعلق کیا خیال ہے؟“

”پھر تو ہے ہیں...!“

”واہ... واہ... سجان اللہ۔“ صدر جنگ سما تھم اخفاکر داد دیجے کے سے اندرالٹیں شور چانے لگا۔ ”جواب نہیں ہے اس تنقید کا...“ پھر سید گی اقتدار کر کے اسے محمد نادر والات ”اے تم مستری ہو... بندوق بنا جائے ہو۔“

”ہاں سر کار...“

”لواسی بات ہے...“ صدر جنگ نے اپنا ہی گلوس اس کی طرف بوجعلیاں دے دیا۔

”فخریہ...! اپ جانتے ہیں کہ میں نہیں ہو...!“

”پہنچ پڑے گی...“ صدر جنگ آنکھیں نکھلی کر غریا۔ ”ہاں سب نہیں رہے ہیں۔“

”اپ کی سکری کہاں پر رعنی ہے...!“

"وہ گورت ہے"

"لائجھے گورت سے بھی مکرین بھاکر بھٹھ دیجئے۔ یہ گورت میوڑے والا مولوی فضل الہی جھٹ مکالی خواب میں ڈھالے کر دوڑے آئیں کے....!"

"کسے تم کا لئی کیت نہیں آوت؟" شجوں عرف ٹوٹی نے عمران کے شانے پر ہاتھدار کر کھل  
عمران سعاد تمندانہ انداز میں صرفہ سکر لیا۔

"وتم نہیں اپنے گے...." صدر جنگ عربیں کو خونخوار آنکھوں سے گورتا ہوا بولا۔  
"نہیں سر کار...!"

"اچھا سمجھ رہا۔ تھوڑی دیر بعد تاذیں گا۔" صدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ پھر ان لوگوں پر  
مجرتی ہاجرا بھی سب مسلم ہر فوں کو نہیں بھوپن سکتے۔

یہ سب اس وقت چھولدار بولان کے لیاہر کملے میں رنگ رلیاں مناد ہے تھے۔ ایک جا ب قطار  
میں پانچ جگہ بڑے بڑے الاؤروش تھے جن میں مسلم ہر فوں بھوپنے جا رہے تھے اور جنہیں کی اشتباہ  
انگیز خوبصورتیں نکھری ہوئی تھیں۔ کسی بڑے بڑے بھیرہ و مکھیں یہ پورے غتوں کی میا خون  
حصہ لٹکے ہوئے تھے جس کی روشنی دو دوسرے بھیں جیلی ہوئی تھیں۔

شراب پالنی کی طرح صرف ہو رہی تھی اور اب تو شاید یعنی کوئی ایسا ہو جس نے بھکانہ شروع  
کر دیا ہو۔ اونچا شجوں عرف ٹوٹی نے بڑے کی تاں بدی لہور اٹک کا پختہ لگا۔  
صدر جنگ شایدی کسی سوچ میں اولاد کیا تھا اور عمران انہیں اسی تھوڑش کی نظر وہ دیکھ  
رہا تھا یہ کوئی یاپ یہ سوچ رہا ہو کہ آخر انہیں معمول بچوں کا مستقبل کیا ہو گا۔  
اور نینا عمران کو متواتر دیکھے بیارہی تھیں۔

وفحاس دفعہ پنیر و نیکس یہ پوں کے شیشے بیک دھت تو فٹ گئے۔ اور چاروں طرف  
انڈوں پر ایکلیں کیلے اس پھلک تہ دلی کا ماقرو آلاوں کی روشنی بھی نہ دیتے۔ اسی ہوا دہ بھی ایک پل  
بکے لیے اندھیرے نہیں ڈھب گئے۔

اور پھر رانکھوں کی کولیاں غطاؤں میں سستا نے لکیں۔ مکدڑی جی کی۔ لوگ ایک دھرے پر  
گردہ ہے تھے۔ صدر جنگ جی جی کر کہ رہا تھا کہ وہ اپنے حواس برقرار رکھیں لیکن کون سنتا ہے!  
ہر فوں کے توں آلاوں پھلے رہے کہ کھانے کھانے والوں کا نقرہ ہر فوں ہو چکا تھا۔ اور جدم  
بھی جس کے سیکھ سائے تھے جماں کھا قدم عمران تو اسی وقت بوئی بھرتی سے زمیں پر لیٹ گیا۔

تھا جب پیر و میکس لیپوں کے شیئے نوئے تھے۔

وہ تیزی کے ساتھ ایک جانب کھلتا رہا۔ ساتھ ہی وہ خود کو چھاتا بھیجا رہا تھا۔ اندھی بھیڑوں کی طرح بھاگنے والے ”کاؤ بو از“ اس کے قریب ہی سے گزر پے تھے کویاں برادر محل رہی تھیں... ایک آواہ تھی بھی فضائیں گوئی تھی... پھر ایک بڑی تیزی تھی مرحان کے قریب ابھری اور کوئی دھب سے اس پر آ رہا۔

عمران اسے اپنے پر پے گھٹ کار لیک طرف ہٹ گیا... یہ نیتا تھی... ایسا

”کیا ہوا...؟“ عمران نے اسے جھنجوڑ کر پوچھا۔

”مگ... گولی... لگ... ہوف... ہو... مری... باندھیں آگ...“

”اچھا... اچھا... کم بر او نہیں... محلہ تھور دور ہیں... ابھی قریب نہیں آئے ہیں... پھر

پڑے پڑے ریگ سکوت ریگتی رہو... یہ لو... میرا تھہ پکڑا لو...“

”بات... پک... کڑ... ہوں... ہوں...“

”اور پھر شاید وہ بے ہوش ہو گئی...“

عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کونا چاہئے۔ وہ دونوں آلا و دوں کی روشنی کے احاطے میں تھے۔ نیتا ہے ہوش ہو چکی تھی اور وہ اٹھ کر اسے پینچ پر نہیں لا دیکھتا تھا کیونکہ کویاں بڑیں کی سطح سے صرف ایک یادو یہ گزارو چیزیں گزرا دیتی تھیں... صفوہ بجگ کے دوسرا سے ساتھیوں کا کہنہ پتہ نہیں تھا۔ محلہ آوروں نے شاید اسے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ مختلف ستون سے اتنے والی آوازیں بھی متعدد تھیں۔

آخر کار عمران نے لیئے لیئے بے ہوش نیتا کو اپنا پیشہ پرڈا اور دزمن پر کہیاں لیئے ہوئے آہستہ آہستہ ایک جانب سکنے لگا۔ کبھی کبھی ریکٹ کر رہنا کو بھی سنبھالا پڑتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ جلد اور جلد آلو ڈھن کی روشنی کی حدود سے باہر نکل جائے۔ کویاں اب بھی چل رہی تھیں۔ لیکن کسی آدمی کی آواز نہیں عالی دیتی تھی۔ اور اب تو کویاں کی آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید محلہ آور آہستہ آہستہ نیتا کمیر ایک کرز ہے تھے...!

## O

صدر محل کے ایک ہاریک گوشے میں کھڑا کی کی آہستہ کی طرف کان لگائے ہوئے تھا کہ دھنیتی بچپے سے کر پر کسی کافی لفت پڑی اور وہ اچھل کر روشنی میں جا پا۔ لات اتنی زور دار نہیں تھی

کہ اب سے اجتنے قابلے تک دھکیل لے جاتی۔ وجہ یہ ہوئی کہ اول تودہ بے خبر تھا اور دوسرا مصیبت یہ کہ وہ زینوں کے سرے پر کھڑا تھا اس لیے نہایت آسانی سے سات یا آٹھ لوڑ گھنیاں کھانے کے بعد صحن میں چٹ ہو گیا....! پھر اسے کھڑے کی بھلک دکھائی دی جو زینوں سے اتر کر نیچے آ رہا تھا۔ غالباً یہ لات اسی کی جو لانی طبع کا نتیجہ تھی۔

مختصر رسم اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کھڑا نیچے اتر کر صدر پر جمک گیا۔ بخوبی اسے دیکھا رہا۔ صدر نے کرکہ کر کر دوڑ بدلتی....! اور پھر چوک کر اسی طرح اٹھ بیٹھا چیز یہ نہیں انہیں حاد ہند کسی طرف بھاٹ نکلنے کا ازاہ وہ رکھتا ہو....! اچانک کبڑے نے اس کے شانے پر تھکی دی اور صدر نے بوکھلائے ہوئے امداد میں منہ اور اخدا دی۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ آپ تھے....!“ صدر نے کہیں تھی کے ساتھ کہا۔

”اور آپ یہاں کیا فرمائے تھے....!“

”میں۔ اوہ!“ صدر اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”میں اب آپ کو بھی بتاؤ چاہتا ہوں۔ کہنیں باہر چلئے... یورائیو سکریسی....!“

”بھی کافی الگ تھلک جگہ ہے!“

”میں آپ کی.... لیڈی سیکرٹری روشنی کی مگر انی کر رہا تھا۔“

”کیوں؟“ کبڑے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اسی دن سے اس کی لڑکہ میں ہوئی جب آپ اس پاگل کو یہاں لائے تھے۔“

”اوہ.... جلدی سے اس کی وجہ بھی بتاؤ! ایرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”اس نے اس سے اشاروں میں کچھ کہا تھا۔ لیکن دوسروں کے لیے اسکی تھی وعی تھی جیسے وہ اس کے لیے قطعی اجنبی ہو....!“

”چلو ہاں لیا.... پھر تمہیں کیا؟“

”یورائیو سکریسی یہ نہ بھولیے کہ میں آپ کا سیکرٹری ہوں اور بذات خود کوئی اچھا آدمی نہیں۔“

”میں عمران کو یہاں کیوں لایا تھا؟“

”میں نہیں جانتا....!“

”پھر روشنی کی مگر انی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”وہ ایک ایسے آدمی کو اشارے کر رہی تھی جو اس کے لیے ابھی تھا...“ صدر جنم جلا لگا۔

”تو اس سے کیا ہوتا ہے...؟“

صدر نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور مزید کچھ کہنے کی بجائے اپنا تھلا ہونٹ چبانے لگا۔

”تم میری سیکرٹری پر ڈورے ڈالنے کی فکر میں ہو!“ کبڑا اسے گھورتا ہوا آہستہ سے غریباً۔

صدر ہنسنے لگا.... پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”یور ایئر بی سکرنسی...“ آپ کو اپنے متعلق ایک بات بتانا بھول گیا تھا۔ اب سن لیجئے۔ وہ یہ کہ عورت کے مقابلے میں مجھ پر وہی اعتاد کر سکیں گے جو پر لے سرے کے گاؤ دی ہوں!

”کیا مطلب...؟“

”یہی کہ اب اپنی سیکرٹری کو ڈبیہ میں بند کر کے رکھئے۔“

”ہوں....!“ کبڑے نے اسے نیچے سے اوپر تک گھورا۔ پھر بولا۔ ”اچھا میرے ساتھ آؤ۔“

وہ دونوں ایک ایسے کمرے میں آئے جس میں فرنچر نہیں تھا۔ البتہ فرش پر بیش قیمت قالین نظر آرہے تھے.... محل کا یہ حصہ حال ہی میں تغیر ہوا تھا اور اس کی تحریک اتنے فکارانہ انداز میں ہوئی تھی کہ یہ اصل عمارت میں بعد کا اضافہ نہیں معلوم ہوتا تھا....

صدر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کبڑے نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ....!“

پھر وہ دونوں آمنے سامنے اس انداز میں بیٹھ گئے جیسے شترنج کھیلنے والے بیٹھے ہوں۔

”تم بہت دن مفت خوری کر چکے۔“ کبڑا بولا۔ ”اب کچھ کام بھی کرو۔“

”شکریہ....“ صدر بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر بولا۔ ”میں ڈرہ تھا کہ کہیں بے کاری

مجھے تھی۔ بی میں نہ چلا کر دے۔“

”ہوں....!“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ عجیب بچپنہ سی مسکراہٹ تھی۔

بچوں کی آنکھوں کی سی چک بیدا ہو جاتی ہے.... حالانکہ محل میں عورتوں کی کسی نہیں تھی۔ پھر

بھی اس کا یہ عالم تھا.....

”تم کیا سوچنے لگے؟“ کبڑے نے پوچھا۔

”آپ کے جغرافیہ پر غور کر رہا تھا۔“

کبڑا اس پڑا.... پھر سمجھی گی اختیار کر کے بولا۔ ”اس چکر میں نہ پڑو...“ تم مجھے نہیں سمجھ

سکو گے۔ ”

”خیر.... ایں تمہر ہوں کہ آپ نے صدر جنگ کو کیوں معاف کر دیا۔“

”پھر کیا کرتا....!“

”میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مجھے اس لئے کمپ پر شخون ملنے کا حکم دیں گے۔“

”ہرگز نہیں....!“ کبڑے نے سخت لہجے میں کہا ”آئی باتیں ہرگز نہ سوچا کرو.... مجھے کشت و خون سے بڑی نفرت ہے.... میں تو یاد کے میٹھے گپتوں کا چاری ہوں.... کیا ہوا اگر اس نے مجھے گالیاں نہیں۔ حق کہتا ہوں اس کے خلاف میرے دل میں ذرہ ہر ابر بھی برلنی نہیں ہے.... اگر وہ دوسروں پر اپنا برتاؤ جتا کہ خوش رہ سکتا ہے تو کسی کو اس سے اس کا یہ حق چھین لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ ختم کرو... اس کا قصہ... مجھے تو تم چوزوں کی باتیں کرو... ہائے۔“

وہ دانت پر دانت جانے۔ ”کامک زدہ“ کتوں کی طرح چوں چوں کرنے لگا.... صدر بھی

مسکرا ہاور کبھی سنجیدہ ہو جاتا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا روایہ کیا ہوتا چل پہنچا۔ بہشکل تمام اس کی ”چوں چوں“ ختم ہوئی اور قطعی خاموش ہو گیا۔ اب وہ کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔

”تمہری دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔“ میں تمہیں ایک ضروری کام سے یہاں لایا ہوں ا।“

”اوہ بتائے بھی نا....!“ صدر نے مضطربانہ انداز میں کہا وہ دراصل چاہتا تھا کہ کسی طرح عمران سے دوبارہ ملنے کا بہانہ ہاتھ آئے کیونکہ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔“

”روشنی سے بے لکف ہونے کی کوشش کرو۔“

”لاحوال ولاقوة....!“ صدر نے جلا کر اپنی پیٹھانی پر دھمکو رسید کیا۔

”آخر تم لوگ میری باتوں کو نہیں میں ادا نے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟“ کبڑے کو بھی غصہ آگیا۔

”عن..... نہیں تو.... میں سوچ رہا تھا صدر جنگ....!“

”تے سے جہنم میں جھوکو.... مجھے اس سے کوئی وچھپی نہیں۔ اس نے میری توہین کی تھی۔ تمہیں کیوں پریشانی ہے....!“

”خیر مجھے کیا....“ صدر نے لاپرواں سے شاہوں کو جنبش دی۔ ”میں تو....!“

”نہیں بس.... خاموش رہو۔ میں صدر جنگ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا...!“

”اوه.... اچھا.... میں سمجھ گیا....!“

”کیا سمجھ گئے....!“

”آپ اسی بھائیک آدمی پللو نزدوا....!“

”اسے بھی جہنم میں جھوکو...!“ کہراہا تھہ بلا کر بولا۔

”ہائے وہ بھی نہیں....!“ صدر چڑانے والے انداز میں کراہا۔

”سب سمجھیگی اختیار کرو.... ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔“ کہڑے کو زیادہ ذور سے غصہ آکیا۔

صدر نے فوراً اپنے چہرے پر سمجھیگی طاری کر لی۔

پھر کہڑا کچھ سوچنے لگا.... صدر اس کے چہرے پر ذہنی کمکش کے آثار دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولا۔ ”روشنی سے اتنی بے تکلفی پیدا کرو کہ اس سے اپنی باتیں ہنو

سکو....!“

”چلنے ہو جائے گا.... پھر....!“

کہڑا پھر خاموشی سے کچھ سوچنے لگا۔ صدر کی ابھن بڑھتی جا رہی تھی....!

”سنو!“ اس نے کچھ دیر بعد صدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”او جب تم اس سے اپنی

باتیں منوالینے کے قابل ہو جاؤ تو اس سے کہو.... کہ جب بھی ہر دن یو عکسی ہمگ دی گریت

اسے تھائی میں جھیڑے تو وہ اسے بے تحاشہ مارنا شروع کر دے.... تھپڑوں گھونسوں اور لا توں

سے.... زمین پر گرا کر چڑھ میٹھے.... اور بے تحاشہ جیٹھی رہے!“

صدر ہنسنے لگا.... بے تحاشہ نہ رہا تھا۔

”خاموش....!“ کہڑا ذور سے گر جا.... اور قہر آکوں نظروں سے صدر کو گھوڑا تارہ پھر اٹھا

اور اس کی طرف دیکھے بغیر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ میں نے کہا ہے یہی ہونا چاہئے.... ورنہ تمہاری کھال کھنپوں والی جائے گی....“

وہ جا چکا تھا.... اور صدر قلیں پر اکڑوں بیٹھا اس طرح سر سہلارہا تھا جیسے دملغ پر گری

چڑھ گئی ہو....!“

## O

وہ دونوں تین دن سے کئے جنگلوں میں بھک رہے تھے.... ان تین دنوں میں کئی بار

نامعلوم بندوقیوں نے انہیں گھیرنے کی کوشش کی لیکن عمران کی بروقت سو بھنے والی تدبریوں

نے ایک شے چینہ بوئی۔

نینا کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ کوئی بائیس بارو کو چھوتی ہوئی گزرنگی تھی و تینی ٹوور پر خاصاً خون بھاٹھا۔ لیکن پھر زخم پر کمر ڈب جانے لگی... دیجے اتنی تکلیف تو تھی ہی کہ پھرہ مت کر رہ جاتا... وہ کچھ فناہت بھی حسوس کر رہی تھی لیکن جان کا خوف بہر حال اور سے اور دوڑائے پھر رہا تھا۔

اس وقت وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ پہنچ کی آگ کس طرح بجاںی جائے۔ پہلے انہوں نے جہاں ڈیرا ذوالا تھا۔ وہاں کچھ جنگلی پہل مل گئے تھے لیکن یہاں کچھ بھی نہیں تھا...۔

ان کے پاس رانفلین بھی نہیں تھیں کہ ٹکڑا ہی پر قاعات کرتے... عمران تو خیر شروع ہی سے غیر مسلح رہا تھا۔ نینا بھی جشن کے وقت کاؤنواے سوت میں نہیں تھی ورنہ اس کے ہولشڑوں میں کم از کم دو عورتوں کو اور ہی ہوتے...۔

نینے اور کپھری کے عالم میں یہ دونوں جنگلوں میں بجکتے پھر رہے تھے اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ چند نامعلوم آدمی ان کی تاک میں ہیں اور کسی وقت بھی ان سے مبیجزہ ہو سکتی ہے... لہذا وہ بہت احتیاط برداشت رہے تھے۔

نینا سوچ رہی تھی کہ اگر کوئی نہ لگی تو بھوکوں ہی مر جانا پڑے گا۔ بہر حال اسے توقع نہیں تھی کہ دوبارہ مہذب آدمیوں کے درمیان پہنچ کے گی۔

وخت عمران نے شہدی سانس لے کر کہا۔

”اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ پاجامہ واقعی بڑی عظیم جنگ ہے۔“

”خدا کے لیے چپ رہو!“ نینا مشتعل ہی آواز میں یوں۔ ”اب ہنسنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔“

”نہیں اپنے ہنانے کی بات نہیں۔“ عمران نے سمجھ دی گئی سے کہا۔ ”میرے دلو اجان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ٹھوں کو پاجامے کی جگہ دے کر اچھا نہیں کیا گیا... میں حق کہتا ہوں کہ اگر جشن کے وقت پاجامہ پہنے ہو تو آج بھوکوں نہ مر جائے۔“

نینا کچھ نہ یوں اس کے چہرے پر بیز نہیں کے آثار بھی نہیں تھے۔ آنکھیں ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھیں۔

پھر عمران ہی بربرا تارہ۔ ”پاجائے سے کمر بند کھینچ کر گوچن (فلا غن) بناتا... اور کرتا پرندوں کا ہنگامہ... کیوں کیسی رہی...؟“  
”ہوں... اوں۔“ نینا بے دلی سے بولی۔

”بھوک بری بلا ہے... کیوں؟“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”میں نہیں... جانتی... کچھ دیر خاموش رہو...!“

”اگر میں خاموشی اختیار کروں گا تو آئتیں بولنا شروع کر دین گی۔ اس لیے خاموش رہنے سے کیا فائدہ...؟“

”میں سونا چاہتی ہوں...!“

”ہوں... ضرور... اگر خواب میں روئیاں نظر آئیں تو مجھے بھی بلا لیتا۔“

نینا بھنگی سی بھنی کے ساتھ قریب ہی لیٹ گئی۔

کچھ دیر بعد عمران پھر بربرا نہ لگ۔ ”فرض کرو کچھ پرندے ساتھ بھی آجائیں تو کیا ہم انہیں کچھ جبا جائیں گے... تم اتنی واہیات لڑکی ہو کہ سگریٹ بھی نہیں بخیں... بھتی ہوتیں تو دیا سلا بیاں یا سگریٹ لا کثر ضرور رکھتیں۔ لاحول ولا قوۃ...“

”تم کیوں نہیں پینے سگریٹ...؟“ نینا نے سر اٹا کر جلاعے ہوئے لجھے میں کہا۔

”نہایت فرمابندردار لڑکا ہوں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”بچپن میں ایک بار ماں نے سمجھایا تھا کہ سگریٹ پینے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے... اس لیے آج تک نہیں پی... انہیں پیوں کا گھنی دودھ کھاتا پیتا ہوں۔“

نینا کچھ نہ بولی... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دنیا اور اس کی باتوں سے دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔

کچھ دیر بعد عمران نے پھر چھیڑا۔ ”جیل کے کچے اٹھے پیوں گی... اتار لا اوں کسی درخت سے...!“

”مت بولو مجھ سے...“ نینا پھر جھنجلا گئی۔

”پھر کس سے بولوں... نہ مولانا شارٹی ساتھ آئے ہیں اور گھریاں شخوٹوںی سملے۔ پڑھ نہیں زندہ بھی ہیں یہ لوگ یا عالم بالا میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں...“

نینا جلا کر اٹھ بیٹھی... کچھ دیر عمران کو گھوڑتی رہی پھر بولی۔ ”کیا تم بھوکے نہیں ہو...؟“

”اتازیادہ کہ اجازت دو تو تمہیں ہی لکھا جاؤں گا۔“

”بھر کو اس کیوں کرو ہے ہو...؟۔۔۔“

”تم کیسی کا وگل ہو.... ایک عیقانے نے تمہیں دنیا سے پیرا کر دیا۔“

”میں لعنت بھیتی ہوں میں زندگی پر.... خدا کرنے صور جنگ کے بھی کوئی لگ گئی ہو!“

”تم اس کی ملازم ہو کر اسکی....“

”میں اس کی ملازم نہیں ہوں....؟“ نیما نے عمران کو جملہ پورا نہیں کر سکتے دید چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ملازمت پر تولات ماری جا سکتی ہے.... لیکن کچھ بندھن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تو زندگی میں مشکل ہوتا ہے....!“

”میں سمجھے گیا۔“ عمران سر ہلاکر تشویش کن لمحے میں بولا۔

”تم کچھ بھی نہیں سمجھے....! اغلظ سمجھے ہو! اس سے میرا کوئی ایجاد نہیں جس پر مجھے شرمندگی ہو.... میں اس کی پوزدہ ہوں.... میری پرورش اس کی لاکیوں کے ساتھ ہوئی ہے.... میرا باپ اس کا ملازم ہے....! میرے تین بھائی بھی اسی کے کھوڈن پر بیٹھ رہے ہیں.... میری ماں بھپن عی میں مر گئی تھی۔ صور جنگ نے مجھے تل کی نڑھوں کے پرد کر دیا تھا.... اور پھر ہم لوگ دیے بھی اس کے پیشی تک خوار ہیں.... کوئی بھی شریف شخص آؤ ایسے بندھوں کو نہیں توڑ سکتا... یا توڑ سکتا ہے؟“

”ہوں.... اوں.... پڑھ نہیں....!“

”نہیں توڑ سکتا.... میں نے کئی بار سوچا.... لیکن جب اس کے احسانات یاد آئے تو سارا جوش شدنا پڑ گیا....!“

”میرا بھی خیال پہنچا ہے کہ تم اس سے جوچا نہیں چڑھا سکتیں۔ بہت سچھدار اور نیک لوگی ہو۔ بہت سچھدار اور نیک لڑکیاں عموماً براہو جلیا کرتی ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”مطلوب ہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ عمران نے معموم لمحے میں کہا۔ ”مطلوب سمجھ میں آتا ہوتا تو میرک میں پانچ سال تک فیل ہوتے رہنے کی بعد پڑھنا کیوں چھوڑ دیجا.... وہ امتحان میں پوچھتے تھے کہ عادا علم مشرک کے کہتے ہیں اور میں سخدر اعظم کی سر اس کے حالات لکھ دیا کرتا تھا....!“

نینا نہیں پڑی۔ پھر سنجیل کراس طرح بورنے لگی جیسے اسے نہ فٹا چاہئے تھا۔

کچھ دیروہ خاموش رہے..... عمران اس طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی چیز کی  
خلاف ہو.....!

دھلتا نہیں بولی۔ ”یہ بلا محض تمہاری وجہ سے باز ہوئی ورنہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا.....“

”تو تم یہ سمجھتی ہو کر..... وہ رانی ساجد گھر کے آدمی تھے۔“

”چھر اور کیا سمجھوں.....!“

”یہ کبڑا صدر بنگ کے پاس کب سے ملازم تھا؟“

”میں نے ہوش سنبلانے پر اسے باس عی کے ملازم کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ پہلے کی بابت  
نہیں کہہ سکتی۔“

”کس پناپر ساتھ چھوڑ گیا؟“

”مر غیال چ لایا کرتا تھا..... نہیں اور بھی عجیب حرکتیں کرتا تھا..... بوڑھی عورتوں کو  
چھیڑتا تھا اور وہ جوتیاں اتار کر پل پڑتی تھیں..... سر راہ عورتوں کے ہاتھوں کی جوتیاں کھلایا کرتا  
تھا۔ پھر باس نے بنگ آکر اسے نکال دیا۔ اب وہ رانی ساجد گھر کا شوہر ہے کتنا سختکھ بخیر جوڑا  
ہے۔“ نینا بنس پڑی پھر بولی۔ ”وہ اونٹی ہے اور یہ نٹ..... ان کے لیے تو ”وہ دونوں“ کہنے کی  
بجائے ”ڈریوں“ کیوں نہ کہا جائے۔ اوہ! مگر تم اپنی کہو..... حق کجھ بتاؤ تم کون ہو.....؟“

”میں لڑکیوں کے والدین کی جوتیاں کھاتا ہوں.....!“

”فضول بکواس مت کرو..... بتاؤ تم کون ہو..... جو کچھ ظاہر کرتے ہو حقیقت معلوم نہیں  
ہوتے..... تمہارے پچھا بھی ستری تو نہیں معلوم ہوتے تھے.....!“

”کبڑے کا اصل نام کیا ہے.....؟“

”پتہ نہیں..... میں نہیں جانتی..... باس اسے میں کہہ کر مخاطب کرتے تھے..... میں جو کچھ

پوچھ رہی ہوں وہ بتاؤ.....!“

”تمہیں یقین نہیں آئے گا کیونکہ وہ پکھوے کاچھ ڈائریکٹر جزل والا شوہر چھوڑ گیا ہے۔“

”تو اس نے غلط کہا تھا.....؟“

”پتہ نہیں..... مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟“

”تم بتانا نہیں چاہتے!“ نینا جھنجلا گئی۔

”آہستہ بولو..... ورنہ کہنیں کوئی گولی چھید کر یہ نہ رکھ دے۔“

نینا کہم کر چاروں طرف دیکھنے لگی..... راتھاٹھیک اسی وقت قریبی جمالاً یوں میں سرسر اہت ہوئی اور عمران نے نینا کا ہاتھ پکڑ کر انہی طرف حمیشہ لیا۔ اب وہ کتنی جمالاً یوں دکے دہ میان تھے۔ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ اور پھر تین آدی دکھلائی دیئے۔ دو کے ہاتھوں میں راتھلیں تھیں۔ تیرے کے ہاتھ اسی کی پیشت پر بندھے ہوئے تھے۔ عمران نے اسے صاف پہچانا۔ وہ شخونٹی تھا۔ نینا نے تجھہ اسہ اندھہ میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر اس کے ہونٹ ہٹے تھے کہ عمران نے اس کے منڈ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم سیلیں تھہرو.....!“ عمران نے سر گوشی کی۔ اور آہستھی جمالاً یوں پہنچاہر نکل آیا۔ اب وہ کسی چیز کی طرح زمین پر سیدھے بڑی پھرتی سے ان لوگوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ نینا نے جمالاً یوں سے جماں کر دیکھا اور بے حد ضرر نظر آنے لگی۔ وہ اب اسے آواز بھی نہیں دے سکتی تھی وہ کیا کرنا چاہتا ہے.....؟ وہ سوچ رہی تھی۔ نہتا ہے۔ کتنی دن کا بھوکا بھی..... وہ دو ہیں۔ پوری طرح سلسلہ اور چاق و چوبی۔ کہیں وہ بھی نہ پکڑا جائے۔ پھر کیا ہو گا۔ اور واقعی احمق۔ خود ہی جہنم میں چلاگ کانے جا رہا ہے۔ میرے خدا کیا کیا جائے۔ پر اس کے منڈ سے جیخ نکل گئی۔ کوئکہ عمران نے کسی چیز ہی کی طرح ان دونوں پر چلاگ لگائی تھی اور وہ دونوں کو ساتھ لینتا ہوا خود بھی ذہیر ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بے خبری کی وجہ سے خود کو سنبھال نہ پائے تھے۔ اور عمران کو شش کر رہا تھا کہ وہ اب اٹھنے نہ پائیں۔ شخونٹی قریب ہی کھڑا چل کر کہہ رہا تھا۔ ”پاہا۔۔۔ پاہ بسیا۔۔۔ رگڑو پوسروں کا۔۔۔ ذیم بلاڈی باشروا۔۔۔“

اب نینا کو کچھ عقل آئی۔ اور وہ بھی ان کی طرف دوڑ پڑی۔ سب سے پہلے اس نے ایک ایک کر کے دونوں کے ہاتھوں سے راتھلیں چھینیں اور پھر ہولشرس بھی مٹو لئے گئی۔ وہ دونوں اب اور زیادہ زور لگا رہے تھے کہ عمران کو اپنے اوپر سے اچھا پھیکیں۔ نینا نے ان کی اٹھیوں پر پتھر دار کر راتھلیں چھینیں تھیں۔۔۔ اس نے راتھلیں تو ایک طرف ڈال دیں اور دونوں ہاتھوں میں روپ اور سنبھال کر کھڑی ہو گئی۔ روپ اور پھرے ہوئے تھے۔

”اب انہیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔۔۔!“ اس نے عمران سے کہا۔

”جو حکم سرکار۔۔۔“ عمران کہتا ہوا ان پر سے اٹھ آیا۔

”خبردار! ایسے ہی پڑے رہو۔۔۔“ نینا نے مظلوموں کو مخاطب کیا۔

وہ چپ چاپ اونٹھے پڑے رہے۔

شخونوںی اچھل اچھل کو کہہ رہا تھا۔ ”دیکھو سردن! ہم کہت رہن کہ کوئو ہمار منی دیکھ لیسن تو تمہار اچھا مر نکال دے ای... باہ... بیٹا... باہ... بادھیا!“

بینا ان دونوں کو کو رکھنے رہی اور عمران نے شخون کے ہاتھ مکھوں دیئے۔ چھوٹے سے عقی وہ مغلوبوں کی طرف جھیٹا۔

”نہیں...!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اُس رہی کے دو ٹکڑے کرو... اور ان دونوں کے ہاتھ اسی طرح باندھ دو جیسے انہوں نے تمہارے باندھ رکھے تھے۔“

”ہم کا اپنے جی کی بھراں نکال لے دو... ہم تو ملائب مر بے جو دو سردنی کا... ہزوٹھائی سکھ رہے...!“

”نہیں...!“ بینا نے سخت لبھ میں کہا۔ ”جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی کرو...!“

”کھیر مانے لیکیت ہے... ما...!“

”نہیں کچھ نہیں...!“

شخونوں نے ان کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ انہیں گالیاں بھی دیئے جا رہا تھا...!

پھر عمران انہیں ان جہاڑیوں میں لا یا جہاں خود پناہ گزیں تھا۔ ٹوٹی کو اس نے راکھل دے کر ایک گھنے اور اوپنے درخت پر چڑھا دیا... پھر دونوں مغلوبوں کے ٹکاری تھیلے مٹ لئے لگا۔ بینا دوڑ پیٹھی ان دونوں کو گھور رہی تھی...!

وغلتا عمران نے بچوں کی طرح قلقاری مار کر قبھہ لگایا...!

”کھانا ضرور ملے گا چاہے جہاں چلے جاؤ...!“ اس نے بینا کو مخاطب کر کے کہا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ بینا نے پاشتیاق لبھ میں پوچھا اور اٹھ کر اس کی طرف جھیٹی۔

عمران اب مغلوبوں کے ٹکاری تھیلوں سے ڈمل روٹیا اور گوشت کے تلتے ہوئے پارچے نکال رہا تھا...!

وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں گھورتے رہے... کچھ بولے نہیں... ویسے ان کے چہروں پر اسیگی کے آثار تھے...!

”اللہ تیرا شکر ہے...!“ بینا نے بڑے خلوص سے کہا۔

"ہاں ہاں.... دوسروں کو لوٹ لوٹ کر کھاؤ.... اور اللہ کا گھر کرو۔" عمران سر ہلا کر بولا۔  
پھر دونوں نے جی بھر کے کھلیا اور بیقد ایک طرف رکھتے ہوئے عمران نے ایک لکری  
بھینک کر ٹوٹی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر اشادے سے اسے نیچے آنے کو کھا دے بھی شاید بھوکا ہی  
تھا۔ بری طرح ٹوٹ پڑا....

اب عمران درخت پر چڑھا کر دوپیش کا جائزہ لے رہا تھا....!  
ٹوٹی بڑے بڑے نواں لے کر منہ چلاتا ہوا بولا۔ "نینا.... بینا.... یوسروں ہم کا بہت مارن  
ہیں.... کھانے کے ہم ان کی مکانی جوہر کرب....!"  
نینا کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ متعجل ہو گئی تھی۔ بے اختیار بھی جی چاہہ رہا تھا  
کہ آنکھیں بند کر کے لیئے اور گھری نیند سو جائے۔

پھر جب کچھ دیر بعد عمران درخت سے اڑا تو وہ بچھے گھری نیند سورتی تھی۔ ٹوٹی کو پھر اس  
نے درخت پر چڑھا دیا۔ ابھی تک اس نے مخلوبوں سے پچھے کچھ نہیں کی تھی....!  
”کھو دو ستو....!” اس نے انہیں حاصل کیا۔ ”میں تمہیں ٹل کر کھاؤں یا آبال کر...!  
”ہم کچھ بھی نہیں جانتے!” ان میں سے ایک نے براہی ہوئی آواز میں کہا۔  
”کیا نہیں جانتے...!”

”یکجا کہ ہم کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔“  
”بہت پرانی کہانی ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب کوئی نیا پلاٹ چاہئے۔“  
”مت یقین کرو۔“ اس نے گردن جھنک کر کہا۔

”ہم میں سے کتنے آدمی مارے گئے.... کتنے زخمی ہوئے؟“ عمران نے پوچھا۔  
”ہم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے...!  
”تمہارے کرناڈہ مرتا سے ایک غلطی ہو گئی!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اسے چاہئے تھا کہ تم  
لوگوں کے لیے پویس کی دردیاں فراہم کرتا۔.... اور تم یعنی ڈاکوؤں کو جن جن کام لیتے اس طرح  
اس پاس کے گاؤں والے بھی تمہاری مدد کرتے.... کیوں ہو گئی نا غلطی....!  
” عمران نے قہقہہ لگایا۔۔۔ پھر یہک یہک گھری سمجھدی انتیار کر کے بولا۔ ”یہ سہ بھولو کہ تم  
لوگوں نے انہیں میں ہم پر بڑی بے دردی سے گولیاں چلانی تھیں.... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں  
تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا.... تم اپنے سر غذہ کا نام بتاؤ یا نہ بتاؤ.... انہماں بہر حال وہی ہوتا ہے جو

میرے بعض ساتھیوں کا ہوا ہو گا۔“

”ہم نے بھی کس پر اندر میرے میں کوئی نہیں چلائی... یہ کب کی بات ہے...؟“

”چاروں پہلے کی بات ہے...!“

ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے... لیکن ہم اپنے لمرغندہ کا نام ضرور بتا سکیں گے... خیسو کا نام سنائے ہے...؟“

”اوہ... وہ... ڈاکو...!“

”ہاں.... وہی.... ہم اس کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں.... کسی نے اس سے کہا تھا کہ وہ

تم لوگوں کو جنگل میں حلاش کر کے پکڑنے...!“

”کیا خیسو سے جانتا ہے...؟“

”پتہ نہیں...!“

”خیسو کہاں ہے؟“ عمران نے پوچھا اور وہ دونوں ہنٹے لگے پھر بولے۔ ”تم معلوم کرو کے

ہم سے...؟“

”کیوں کیا نہ بتاؤ گے؟“ عمران نے تھیرانہ لبجھ میں پوچھا۔

”کو شش کر کے دیکھ لو۔“ ایک نے مخفکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ضفول باتیں نہ کرو۔ ہم جانتے ہی کب ہیں کہ خیسو کس وقت کہاں ہو گا...؟“

”تم لوگوں نے اب تک ہمارے کتنے آدمی پکڑے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”یہ پہلا ہاتھ آیا تھا...!“

”کہاں لے جا رہے تھے...؟“

”اپنے اڑے پر...!“

”مجھے خیسو سے ملا تو! مجھ سے مل کر وہ فائدے میں رہے گا۔“ عمران نے کہا۔

”ہم نہ ملا سکیں گے کیونکہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ملے گا۔“

”اگر تمہیں کوئی ضروری پیغام اس تک پہنچانا پڑے تو کیا کرو گے؟“

”ہمارے پاس نامہ بر کھوتا ہیں۔ وہ ہمارے پیغام اس تک لے جاتے ہیں۔“

”دفعہ شیخودھم سے زمین پر کوڈا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ تھے سے گزر کر اترنے کی بجائے

ٹھکلی شاخ بیچ پر سے کوڈ پڑا تھا...!“

وہ ایک طرف ہاتھ خاکر ہانپا ہو گولا۔ ”اویکت سے سات آنھ ملئی آوت ہیں!“ ۱

سحر اتنے بچت کر زینا کو جھاؤ دی۔ دورا نکلن اور دور یو ہلو کافی میکریں سمیت پہلے ہی ہاتھ آ چکے تھے... اس لیے عمران غیر مطمئن نہیں و کھائی دیتا تھا۔

اپاک دنوں مظبوں نے چیخنا شروع کر دیا... ۲

عمران اور شیخوٹی ان کے منہ دبائے رکھنے کی کوشش کرنے لگے... ۳

## ○

آج صدر نے کسی نہ کسی طرح موقع پیدا کر کے سا جد گر شیفون اسکنچ کے ذریعہ ایکس ٹو (بلیک زیرو) سے رابطہ قائم کیا اور عمران کی گشادگی کی اطلاع دی۔

وہ محل ہنس سے غائب ہوا تھا؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”می ہاں...! میرا خیال ہے کہ آپ مبروعوں کو یہاں بیجھے...!“

”تم خود ہا مرد کرو...!“

صدر نے سوچا کہ جو لیا کار آمد ثابت ہو گی... اسے لیٹھن خاکہ عمران کی گشادگی میں کہڑے کا ہی ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ پھر کسی طرح نواب صور جنگ کے ہاتھ جا گا ہو۔ پھر اس نے پھلو نزد کے متلئ بھی بلیک زیرو کو بتاتھے ہوئے کہا۔ ”وہ بھی کوئی نہم آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”بہت زیادہ!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اتا ہم کہ مسٹر رحمان کا محکمہ اس کے لیے دن کا چین اور راتوں کی نیز کو بیٹھا ہے...“

”پھر جو لیا آئے گی نا...!“

”کل تک بھی جائے گی... لیکن کہاں؟“

”اسے سیاحوں کے ہوٹل پر ادا نہیں قیام کرنا پڑے... میں رابطہ قائم کر لوں گا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

وہ بڑی ابحص میں تھا۔ بھجھ میں نہیں آتا تھا کہ عمران سے کس طرح رابطہ قائم کرے پہلے

اس نے کوشش کی تھی کہ صدر جنگ سے چیخیر چھڑا کے لیے کہڑے سے اجازت حاصل کر

۔ اور سے سات آنھ آدی آرہے ہیں۔

لے..... لیکن وہ اس معاملہ میں بھی جد مختلے خون والا ثابت ہوا۔ اجازت مل جاتی تو عمران سک رسمی بھی ممکن ہوتی ..... وہ حالات کو سمجھنا چاہتا تھا۔ آخر اتنے پاپ کیوں اور کس لیے بلیے گئے تھے۔ وہ سوچتا اور مزید الجھنوں میں بجا ہو جاتا ..... پھر اس نے سوچتا ہی چھوڑ دیا ..... کیونکہ ایکس ٹو سے بھی کسی قسم کے واضح احکامات نہیں ملتے تھے۔

بہر حال یہ دن بھی خاصی تفریجات میں گزر رہے تھے ..... کبڑا تو مختلف النوع دچپیوں کا خزانہ تھا..... اس کی ہدایت کے مطابق اس نے روشنی سے گفت و شنید شروع کی۔

”ایسا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گذر رہا.....“ روشنی نے جھپٹے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“

”کیا بتاؤں ..... شرم آتی ہے۔“ وہ شر میلے انداز میں ہٹی۔

”شرم ..... تمہیں ..... تم جسی اسلامی عورت کو....!“ صدر نے حیرت سے کہا۔

”بات ہی ایسی ہے ....!“ وہ پھر ہنس پڑی۔

” بتاؤنا آخر ..... کیا بات ہے ....!“

”تم ہنسو گے ..... اور مجھے الو سمجھو گے .....!“

” وعدہ کرتا ہوں نہیں سمجھوں گا ..... نہیں ہنسوں گا۔“ صدر کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔

”میں اس پر سواری کرتی ہوں!“ روشنی نے کہا اور کہتے وقت ہنسی کی وجہ سے اس کے حل

سے ”قیاوں قیاوں“ قسم کی آوازیں نکلی تھیں .....

”سواری کرتی ہو ....!“

”ہاں وہ زمین پر اوپر حالیٹ جاتا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے کہ اس کے کوبڑ پر بیٹھ جاؤں اور اسی

طرح آگے بیچھے جھولتی رہوں جیسے اوٹ پر بیٹھنے والے جھولتے ہیں۔“

صدر ہنس پڑا ..... لیکن انداز میں بے تینی تھی۔

”اب تم دوہری فرمائش کر رہے ہو ....“ روشنی نے ہنس کر کہا۔ ”اجھی بات ہے میں اسے

پہیٹ کر ادھ موادر کروں گی لیکن تم اسے نہ بتانا کر اوٹ والی بات تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔“

صدر کچھ نہ بولا ..... پھر وہ کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا.....

## O

کبڑا دبے پاؤں روشنی کے کمرے میں داخل ہوا۔ روشنی کی پشت دروازے کی جانب تھی اور وہ

ایک باقصویر میگزین میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس لیے کہرے کی آمد سے لامن رہی.....  
وہ پیچے سے آہستہ آہستہ اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر زور سے چینا اور روشنی اچھل کر فرش پر جا گردی.... اس کے ملق سے بھی جھیلی نکل گئی تھی.....  
پھر وہ اٹھی اور جلا کے ہوئے انداز میں کہرے کو گھومنے لگی.... اس وقت بھی اس کا ہمیں  
بھی چاہتا تھا کہ دونوں ہاتھوں میں سینڈ لیں سنبھالے اور آنکھیں بند کر کے پل پڑے.....!  
”آپ نے توڑا دیا.... یور ایڈیٹو سکر لکی....!“ اس نے زبردستی اپنی آواز میں زری پیدا کر  
کے ٹھکایت آمیز لمحے میں کھل۔  
کبڑا پچھکانہ انداز میں ہٹنے لگا۔

”آج میں بڑے اچھے موڑ میں ہوں؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا اور شراحت آمیز نظروں سے  
اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”شریف رکھئے!“ روشنی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.... میں فرش ہی پر نہیں گا.... تم دروازہ بند کرو وو....!“

”گل... کھوں....؟“

”کچھ نہیں.... یہی موج ہے قلندر کی....!“

”مم.... گر....!“

”سیاہ بے آواز فائز بھول گئیں....!“ کبڑا سخیدہ ہو گیا۔

”مگر کیوں؟....“ روشنی تھکی....!

”کچھ بھی نہیں بس باشکن کریں گے....“

”آپ کو اور کوئی کام نہیں رہتا....؟“

”دروازہ بند کرو وو....!“ پھر خخت لمحے میں کھا گیا۔

روشنی طعام اور کہا..... دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے لیے اسے کہرے کے قریب سے  
گزرنا پڑا..... اور پھر بھی بے اختیاری میں اس کا ہاتھ گھوم ہی گیا۔ جن خاصی آواز کے ساتھ  
کہرے کے گال پر پڑا تھا۔

اس نے حرکت ہی اسکی کی تھی....!

وہ نفس رہا تھا اور روشنی خصوص سے پاگل ہوئی چالہ ہی تھی۔ وہ اس وقت قلبی بھول گئی تھی کہ وہ  
کس پلڈیشن کا آدمی ہے اور فطرت کیا ہے....

”مزہ آگئا.....“ کہرے نے پھر قہقہہ لگایا اور روشنی کی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر ثُٹ

پڑی.....

تھہر..... لات..... گھونٹے..... پھر تو سبھی مل رہے تھے..... لیکن کبڑے کے قمقہوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ روشنی کا غصہ تیز ہوتا رہا۔ اور وہ بڑے بڑے درودی سے اسے چھٹا رہی۔ اب تو وہ اسے با قاعدہ زمین پر گرا کر چڑھا دیتی تھی اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ رعنی تھی۔ دھنٹا۔۔۔ کبڑا سکاریاں لیتا ہوا بولا۔ ”روزانہ بند کر دو۔۔۔ پھر چاہے مجھے ماری ڈالنا۔۔۔“ ”میں اب نہیں کروں گی تھہاری طازہ مت۔۔۔ تم کہنے ہو۔۔۔ ذلیل ہو! میں رانی کا بھی منہ نوج لوں گی۔۔۔ مجھے بے بس نہ سمجھنا۔۔۔ تھہارا یہ راج محل مقبرہ بن جائے گا سمجھے۔۔۔!“ ”تم۔۔۔ نہیں جاسکتیں۔۔۔ تم مجھے نہیں چھوڑ سکتیں۔۔۔ میں خود کشی کروں گا۔۔۔ اگر تم نے مجھے چھوڑا۔۔۔“

پھر وہ یک بیک پھوٹ پھوٹ کر زونے لگا۔ اروشنی غیر ارادی طور پر اسے چھوڑ کر بہت گئی۔ کبڑا مزید کچھ کہے بغیر بازوؤں میں سردیتے روتا رہا۔ اب روشنی کو ہوش آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی نے انہیں اسکی بے تکی حالت میں دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ وہ چکے سے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے بھیڑ کر بولٹ کر دیا۔ کبڑا اب آواز سے نہیں رورہا تھا صرف سکیاں جاری تھیں۔ چھرہ بھی بازوؤں ہی میں چھپا ہوا تھا۔

کئی منٹ گذر گئے۔ روشنی ایک اشول پر احمدتوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہو۔۔۔ وہ بالکل کسی نئے سے بچے ہی کی طرح روئے چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچتی اور بور ہوتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد سکوت طاری ہو گیا۔

کبڑے نے اپنا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چھرہ اور پر اٹھایا۔۔۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور تاک کے نتھے متور نظر آ رہے تھے۔ روشنی نے گڑبرا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”تم نہیں جاؤ گی۔۔۔ بولو۔۔۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔۔۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ روشنی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگی۔۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس نے کیا کرنا چاہئے۔

”تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا دمکھی آؤں ہوں۔۔۔“ کبڑے نے پھر کہا۔ روشنی اب بھی کچھ نہ بولی۔۔۔ ”تم پہلی عورت ہو۔۔۔ جس نے مجھے مارا ہے مم۔۔۔ میں۔۔۔ تمہیں کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔۔۔“ تم نے آج میری وہ آرزو پوری کی ہے جس کے لیے میں بچپن ہی سے ترپھا۔۔۔ سلگتا اور کڑھتا آیا ہوں۔۔۔ روشنی۔۔۔ کان کھول کر سن

لو.... تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتیں....!"

روشی تیرت سے آنکھیں پھالائے اسے دیکھتی رہی.... اب کہرے کی آنکھیں دیران کی نظر آئنے لگی تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ ایک سمت خلاں مگورے جارہا تھا۔

یہکہ بیک اس کے حلقت سے پھر بھرائی ہوئی کی آواز فلی اور وہ کہنے لگا "تم پہلی بھتی ہو جئے میں پوری سمجھیگی سے اپنی کہانی سنانے جارہا ہوں.... میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میرا اہم کیا ہے؟ میرے مال بات کون تھے؟ کہاں تھے؟ میری بیدائش....!" اس تھے ایک طویل سافی لی اور اتنی بخشنی سے دانت بخینچے کہ جبڑوں کی دریزوں ابھر آئیں.... چند لمحے اسی کیفیت میں گذرے پھر بولا۔ "میری بیدائش غالباً اسی طرح ہوئی ہو گی جیسے سرٹی ہوئی لاشوں میں کہڑے بیدا ہو جاتے ہیں.... انسانیت کی سرٹی ہوئی لاش نے مجھے جنم دیا تھا۔"

وہ یہکہ بیک خاموش ہو گیا.... قبچہ لگایا.... دیریکٹ ہنستارہا.... پھر بولا۔ "میں انسانیت کی سرٹی ہوئی لاش کو اس طرح چاٹ جاؤں گا جیسے.... وہ کیڑے.... اوہ! جنہیں شاید کہن آرہی ہے.... میں گھناوتا ہوں.... مجھ سے خو ٹکوڑا توں کی توقع نہ رکھو.... لیکن تم نے آج میری وہ آرزو پوری کر دی ہے.... وہ.... آرزو....!"

اس نے اپنی بھتی کو ایک طویل اور پر شور بوس دیا۔

"میں نے جنہیں اس لیے خصہ دیا تھا کہ تم مجھے مار بیٹھو.... میں جانتا تھا کہ تم کس تائپ کی عودت ہو.... مجھے یقین تھا کہ تم مجھ پر جسمت پڑوگی.... سنوا جن لوگوں نے میری پر درش کی تھی بہت نیک لوگ تھے.... انہوں نے مجھے ایک شاہراہ پر پڑا ایسا تھا۔ وہ اپنے پچوں کو معنوی قدم کی شرارتوں پر پہنچ دیا کرتے تھے.... لیکن مجھے بھی نہیں مارا.... خواہ میں کچھ کرتا ہوں.... وہ مجھ پر ترس کھاتے تھے.... تم خود سوچو ایک نحاسا کہوا.... قابلِ رحم.... میرا می چانتا تھا کہ وہ عورت ہے میں مان کرتا تھا.... کبھی کبھی مجھے بھی آنکھیں دکھلایا کرے۔ مجھے بھی جھڑ کا کرے.... مجھے بھی مار کرے۔ جیسے اپنے پچوں کو مار دیتی تھی.... لیکن اس نے کبھی غصیل لمحہ میں مجھے ٹھاٹپ نہیں کیا.... بڑی نیک عورت تھی....! جب میں کچھ برا ہوا تو سوچنے کا کاش کوئی دوسری ہی عورت مجھے دو چارہاتھ مجاڑا دیتا۔ مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔ میں اسی توقع پر کہ شاید یہ آرزو پوری ہوئی جائے۔ محلے بھر میں شرارتنیں کرتا پھرتا لیکن کوئی بھی مجھے نہ ملتا کیونکہ جن لوگوں نے میری پر درش کی تھی۔ ذی اڑا اور متول لوگ تھے.... اگر ان کے پاس میری دھکائیں پہنچتیں تو وہ صرف لفیخوں کا دفتر لے بیٹھتے.... اب تم بوے سنتی خیز آنداز میں سکرارہی ہو روشنی....!"

روشی چونکہ پڑی۔ وہ اتنی بخوبی تھی کہ کچھ دیر پہلے کا واقعہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اسے کے  
بیوہ راست مخاطب کرنے پر بھروسی پچھلا سامنہ واپس آگئی۔ اس نے جسم جسم بھی لی۔ کچھ کہنا  
چاہا۔ لیکن حلق سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔۔۔ میں تمہارے چہرے پر مانتا کا نور دیکھ رہا  
ہوں! خیر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ....!“

وہ پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔۔۔ روشنی استول پر کمساتی رہی۔۔۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی  
طرح اس کرے سے نکل بھاگے۔۔۔ وہ بڑی اہمیت حورت تھی۔۔۔ اب تک نہ چانے کنوں کو  
چلکیوں میں اڑاچکی تھی۔۔۔ جب وہ پیشے میں تھی تو ہر طرح کے لوگوں کا تجربہ ہوا تھا۔۔۔ اور وہ  
انہیں پینڈل کرنا بھی جانتی تھی۔۔۔ لیکن یہ بے ہیکم کیڑا۔۔۔ اسے برابر پٹھنیاں دیئے جا رہا  
تھا۔۔۔ وہ خود کو اس کے سامنے قلعی مبے بن محسوس کرنے لگتی تھی۔۔۔ اب اسی وقت پھر اسے  
اس پر حرم آنے لگا تھا....!

کبڑا کچھ دیر بعد بولا۔ ”پھر میں اسی طرح ترستا اور سکتا ہوا زندگی کی منزلیں طے کرتا  
رہا۔۔۔ پھر ایک جگہ رانی ساجد گر آنکھ رائی۔۔۔ اس کا چوتھا بلڈاگ بے پور گیا تھا۔۔۔ وہ اس کے غم  
میں سو گوار تھی۔۔۔ مجھے دیکھ کر مکمل انھی کیونکہ مجھ میں اسے بے پو کی جھلکیاں نظر آئی  
تھیں۔۔۔ پہلے مجھے ملازم رکھا۔۔۔ پھر بے تکلف ہوئی۔۔۔ اس کے بعد شادی کر بیٹھی۔۔۔ مجھ  
سے بے حد محبت کرتی ہے۔۔۔ میں اس توقع پر روزانہ اس کے تکوے کسی کتے ہی کی طرح جانتا  
ہوں کہ شاید مذاق ہی میں ایک آدھ لات رسید کر دے۔۔۔ لیکن افسوس بیرا یہ خواب آج تک  
پورا نہ ہو سکا۔۔۔ بولو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔؟“

روشنی بے ساختہ ہیں پڑی۔۔۔!

”اوہو۔۔۔ اوہو۔۔۔!“ وہ بھی بچوں کی طرح تالیاں بجا کر ہنسا۔ ”اب تم مجھے چھوڑ کر نہیں  
جاوے گی۔۔۔ تم ہیں رہی ہو۔۔۔ تمہارا غصہ اتر گیا۔۔۔ ہلا۔۔۔!“

”تم سور ہو۔۔۔!“ روشنی نے جھینپیے ہوئے انداز میں کہا۔۔۔ انھی کر دیووازے تک آئی۔۔۔  
بولٹ گرا کر دروازہ کھوڑا۔۔۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔۔۔!

## O

میکرین پر نہیں کا قبضہ تھا۔ اس نے ایک را نکل سنہماں اور جھاٹک کر جھاڑیوں سے باہر دیکھنے  
لگی۔۔۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ آدمی نظر آئے۔۔۔ مغلبوں کی جنگیں سن کر وہ ایک ہی جگہ  
ٹھک کئے تھے اور اب اس طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے جیسے انہیں خطرہ کا احساس ہو گا۔۔۔

ادم عمران اور شخونے ان دونوں کے منہ دہار کئے تھے۔  
نیتا نے آنے والوں کی گرفتاری کرتی رہی۔... جہاں رکے تھے ہیں اب بھی کھڑے تھے۔  
رفعتاً ایک نے شخونی گرفت سے آزاد ہوا کر پھر چھٹاشر و بع کر دیا۔

اب باہر والے انہیں جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔...

”ویکھو!“ نیتا نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”نمیں چھوڑ کر ادمر آؤ۔ انہوں نے اندازہ کر لیا ہے!“  
پھر عمران نے بھی ایک راتقل سنبال لی۔ لیکن شخون کو قیدیوں کے پاس ہی بیٹھے رہنے کا  
اشارة کیا۔ باہر والے احتیاط سے جھاڑیوں کی طرف بیٹھ رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے  
ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارة کیا اور آہستہ آہستہ کچھ کھاتا ہا۔...

”اوہ....!“ عمران نے نیتا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”یہ لوگ جھاڑیوں

کو گھیرے میں لینے کا مشورہ کر رہے ہیں شایدیں....!“

نیتا کچھ نہ بولی لیکن دوسرا بھی لمحے عمران کے اندریشے کی تقدیم ہو گئی کہ عکس اپ دہ پھیلا دا  
اختیار کر کے نصف دائرے کی شکل میں جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔...

”راتقل.... نہیں.... روپ اورا!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”جب زور پر آجائیں تب....

لیکن ٹانگوں پر فائز کرنا....!“

نیتا نے دونوں روپ اور چیک کیے۔ دونوں چیزیں بھرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے حلہ  
آوروں پر نظر ڈالی جو آہستہ آہستہ بڑھتے چلے آ رہے تھے اور ان کا نصف دائرہ پر نگوستیج ہوتا جا  
رہا تھا۔

رفعتاً نیتا نے فائز کر دیا اور وہ سب بوکھلا گئے۔ پھر وہ جب تک راتقلیں سیدھی کرتے۔  
عمران نے بھی پے در پے تین فائز کئے۔ ایک آدمی جیچے مار کر گرا اور بقیہ تر پر ہو کر پوزیشن  
لینے لگے۔ کوئی کسی درخت کے تنے کی ہوٹ میں ہو گیا۔ کوئی کسی گڑھے میں لیٹ گیا۔ دو تین  
توبہ حواس ہو کر جدم بھی منہ اٹھا جائے چلے گئے۔...

”اب دشواری پیش آئے گی۔“ نیتا بڑا بڑا۔... اور رفتا باہر سے ایک فائز ہوا کوئی عمران کی  
ٹانگوں کے درمیان سے خاک لاتا ہوئی گذر گئی۔

”ترے بے پا رے....!“ عمران اچھل پڑا۔ ”مکھ کو بھاں سے.... فائیوں کی آوازیں  
دوسرے کو بھی اس طرف متوجہ کر لیں گی۔... پے نہیں اور کتنے ہوں... اور سفر ٹوٹیں...  
ہائیں طرف بھاگو۔... چلو....!“ وہ نیتا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچنے کا....!

O

کبڑا پائیں باغ میں بیٹھا و نگہ رہا تھا۔ صدر کی آہت پر چوک پڑا۔ صدر نے بڑے ادب سے سلام کیا۔!

”جیتے رہو۔۔۔ جیتے رہو!“ کبڑا آگے بیچھے جھوٹا ہوا بولا۔ آج کل وہ ہر وقت نئے میں رہنے لگا تھا۔

”کیسے مزان ہیں۔۔۔ یورائیڈ یونکریسی۔۔۔!“

”مگن بر خوردار۔۔۔ آج کل راوی چین ہی چین لفڑا ہے۔۔۔!“

”کیوں نہ ہو! بڑے آدمی ٹھہرے!“ صدر نے تلخ بجھ میں کہا۔

”کیا مطلب!“ کبڑا اسے گھورنے لگا۔

”میں اب اس زندگی سے بچ آگیا ہوں یورائیڈ یونکریسی۔۔۔ تمہاریاں کھاجائیں گی مجھے!“

”سمجا!“ کبڑا سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”روشی پر پھسل گئے ہو شاید۔۔۔ مگر پہ نامکن

ہے۔۔۔ وہ بڑی شریف محورت ہے۔۔۔!“

”روشی۔۔۔ پوہ۔۔۔ اس میں کیا رکھا ہے۔۔۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آج میری محبوبہ آرعن

ہے۔۔۔ مجھے اجازت دیجئے کہ اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں!“

”محبوبہ۔۔۔ انگاہ۔۔۔ آپ بھی محبوبہ رکھتے ہیں۔۔۔ مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اس دنیا میں تھا ہو!“

”غلط تو نہیں کہا تھا۔۔۔ جلدی اجازت دیجئے مجھے اٹیشن جا کر اسے رسیو کرنا ہے۔۔۔!“

”ہم بھی چلیں گے۔۔۔ کبڑا لفڑا ہوا بولا۔“

”آپ یعنی کر۔۔۔ یعنی۔۔۔ لیکن براہ کرم میرے حال پر رحم فرمائیے۔۔۔ روشنی کی طرح وہ

بھی آپ کی سیکرٹری نہیں بن سکے گی۔۔۔!“

”بکواس مت کرو۔۔۔ چلو!“

”لیکن اس کے لیے بھی محل ہی میں مجھہ نہ کافی پڑے گی۔“

”وہ سب ہو جائے گا۔۔۔ تم چلو بھی تو۔۔۔!“ کبڑے نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

ایک بھی سی کیڈیلاک پر وہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ کبڑے کے ساتھ دو مسلسل اور باور دی

بادی گارڈ بھی تھے۔۔۔ ساجد نگر کے چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر مکملی مجھ گئی۔۔۔ اسٹیشن ماسٹر

خود دوڑا ہوا آیا اور اسی نے کار کا دروازہ کھولा۔ پھر وہ انگلیں دینگ روم میں لایا اور کبڑے کے

سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تمرثیں آپ سے مہمان آ رہے ہیں۔۔۔“ کبڑے نے بالآخر اس کی حیرت اور خوف کا خاتمه کیا۔

”کچھ پہلیں گے سر کار....“

”نہیں کچھ نہیں شکریہ.... تمہاری فرض شاہی سے ہم بہت خوش ہیں۔“

”محض نہیں سر کار!“ اشٹشن ماسٹر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا چلا گیا۔....

”بُن اب جاؤ...!“ کبڑا تھہ ہلا کر بولا۔

یادی گارڈ وینگ روم کے دروازے پر ٹکھر گئے تھے۔ اندر اب کہڑے اور صدر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”اب پھر تھی اچاٹ ہو رہا ہے ساجد گھر سے!“ کہڑے نے محنتی سانس لے کر کہا۔ ”پھر دار الحکومت جاؤ گا۔ کہیں تھی نہیں لگتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں...!“

”لمحیں آپ کا دل نہیں بھلتا...“ صدر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ”وہ کون ہی چیز ہے جو آپ کی دسترس سے باہر ہے.... اس کے باوجود ہی...! حیرت ہے خت حیرت!“

”تم نہیں جانتے.... تم نہیں سمجھ سکتے....!“

”میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا!“ صدر بولا۔ ”آپ نے مجھے کسی آدمی کے قتل کے لئے ملازم رکھا تھا لیکن پھر یہاں سے آئے.... مجھے یقین نہیں آیا اس طبقے پر جو آپ نے میان کیا تھا۔ چہرہ دو حصوں میں مقسم.... اس کا نام کیا تھا۔“

”پھلوڑوڑا...!“ کہڑے نے صدر کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”یا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو؟“

”نہیں! ایو یو اسکر لی.... لیکن میں اب اس بے کاری کی زندگی سے عک اگبا ہوں۔ مجھے

کام ہتا یے....!“

”کام...“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بکواس کرتے ہو۔ کام کرنے والے لاکیوں سے یہ دوستی نہیں رکھتے....!“

”ٹوکیوں نہیں صرف لڑکی.... جو لیانا فڑواڑ میری زندگی میں ہیں اور آخری ٹوکی ہے۔“

”ہائیں... ہائیں... جو لیانا فڑواڑا!“ کہڑے نے پلکیں جھپکائیں۔ ”میادوہ کوئی غیر لکھی ہے؟“

”میں ہاں.... سوئیں....!“

”ای گذنس....!“ کہڑا اپنا سر سہلاستے لگا۔

لبستے میں ٹرین کی آمد کا اعلان کرنے والی گفتگی بھی....

”ہر کار اس پر رحم فرمائیے گا.... وہ یہ مدد حسین ہے....!“

”میا کواس کر رہے ہو.... کیا میری بیوی کسی سے کم حسین ہے.... اتنی بلندی پر اتنا

خوبصورت چہرہ آج سک میری نظر سے نہیں گزرا....!“

”رانی صاحبہ آپ سے بہت محبت رکھتی ہیں.....“

”یقیناً..... مجھے اس پر فخر ہے.... مجھ جیسے ایڈیٹ کو اتنا چاہتی ہے..... وہ یامِ مجمل مجھ پکھوے پر بربی طریقہ تھے.....“

”لیکن ایڈیٹ یو سنکر لی سی مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ وہ آپ کی بے راہ روی پر بھی آپ کو تو نتی نہیں!“

”بڑے دل گردے کی عورت ہے!“ کہڑا سر ہلا کر بولا۔ ”اکثر میں اس کے لیے معموم رہتا ہوں لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہوں.... قدرت نے اس قدر حرایی پہن عطا کیا ہے مجھے کہ وہا.... وہا....“

صدر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اتنے میں اشیش ماشر نے اندر آکر ٹرین کی آمد کی اطلاع دی۔ پھر وہ پلیٹ فارم پر آگئے.... ٹرین کی بیٹھوں کی آوازیں گونج رہی تھیں.... ٹرین.... آئی.... رکی.... اور چھ سات مسافروں کو اتار کر آگے بڑھ گئی....!

جو یا ٹرین سے اتری تھی۔ ایک چھوٹا سا سوت کیس ہاتھ میں لٹکائے اس بھیڑ میں سب سے الگ نظر آری تھی.... صدر اس کی طرف بڑھا۔ کہڑا جہاں کھڑا تھا جیسیں کھڑا رہا۔ پھر وہ اسے کہڑے کے قریب لایا۔

”ہائی فرینڈ جولیا ناقہ فڑواڑ.... ایڈو دس ازمائی باس ہر ایڈیٹ یو سنکر لی ہمگ دی گریٹ....!“  
جو لیانے بڑی سخیدگی سے کہڑے سے مصالحہ کیا۔  
لیکن کہڑا اب.... بالکل خاموش ہو گیا تھا صدر جولیا سے اس کی تعریفیں کر تارہ۔  
”میرا بس بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت شاندار اور عجیب.... یہ ہمارا مالک بھی ہے اور بہترین دوست بھی.... تم محل میں اجنبیت بالکل نہ محسوس کرو گی۔ تمہاری دل بیکھی کے لیے وہاں ایک غیر ملکی لڑکی اور بھی ملے گی.... میں تمہیں اس سے ملاویں گا.... اس کا نام روشنی ہے۔ نام پسند آیا تمہیں.... وہ ایگلو بر میز ہے۔“

”تمہیں تو پسند نہیں....!“ جولیا نے مسکرا کر پوچھا۔  
”اوہ.... نہیں نہیں!“ صدر گھبرا کر بولا اور کہڑا بڑے مشغقات اندر اسیں مسکرانے لگا۔  
جولیا کہڑے کے خانہ دیکھ کر تھیر نظر آری تھی۔ کچھ دیر بعد کیڈی پھر محل کی طرف روانہ ہوئی.... اکہڑا اور ایمور کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ صدر اور جولیا بیچھے تھے۔ جولیا شاید کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن صدر نے اشادے سے منع کر دیا۔  
 محل بیچ کر کہڑے نے جولیا کے لیے ایک کرہ نمیک کرنے کا حکم دیا جو صدر کے کمرے سے

بہت دور تھا... صدر نے احتجاج کیا۔

"یہاں جیا شی نہیں ہو سکتی... بچے برخوردار۔" کہڑے نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھتا۔"

"یا اس سے شادی کرو... یادور رہو...؟"

"یور ایڈیو سکرنسی...؟" صدر نے غصیلے لمحے میں کہا۔

"کومت... تم رات کو تھائی میں اس سے نہیں مل سکو گے اب کچھ نہیں سننا چاہتا...؟" بات ختم ہو گئی تھی... پھر صدر نے موچ پا کر جولیا کو سارے حالات سے لگا کر کیا لیکن جولیا کے اس بوال کا جواب نہ دے سکا کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔

ای شام کو صدر رانی کے سامنے طلب کیا گیا... وہ ایک کرے میں تھا تھی۔ چہرے پر کھڑی تشویش کے آثار تھے۔ ہاتھ ہلا کر اس نے صدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک صدر کو گھوڑی رہی۔ پھر بولی۔

"یہ لڑکی... جو آج آئی ہے... اس سے تمہارا کیا تعلق ہے...؟"

"مم...؟" صدر نے کھکھار کر طبق ساف کیا۔ پھر بولا۔ "وہ میری دوست ہے یورہائی نس۔؟"

"کس قسم کی دوست...؟"

"بس دوست... جی ہاں... یورہائی نس... صرف دوست۔"

"مجھے اس قسم کی دوستی پسند نہیں...؟"

"مم میں نے... اسے... ہر ایڈیو سکرنسی کی اجلاز سے بلا ہے... یورہائی نس؟" "اوہ... وہ...؟" رلنی خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پھر تشویش کی پرچھائیں نظر آنے لگیں... تھوڑی دیر تک وہ خلاء میں گھوڑی رہی۔ پھر صدر کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "میں اس کے لیے بہت فخر ہوں۔ لیکن اس سے کچھ نہیں کھتی... دعہبہت زیادہ پیٹے کا ہے اور محل میں خراب ہوتیں آنے لگی ہیں... کیا تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے...؟"

"مجھے خراب ہو توں کا علم نہیں... یورہائی نس؟"

"میں جانتی ہوں۔" رلنی نے دردناک لمحے میں کہا۔ "میں کو سمجھتا بہت مشکل ہے۔ تم اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ روٹی کو وہ مجھے سے لے گیا... اب تم اپنی دوست کی حفاظت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میں کچھ نہ کر سکوں گی...؟"

"یہ تو بہت براہوں" صدر نے سر اسکی ظاہر کی۔ "اب میں کیا کروں...؟"

"آج رات خود اس کی حفاظت کرو... اور مجھ سے داپس بھجوادو۔"

”کیا آپ ہر ایڈیو سکرنسی کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں....؟“

”نہیں.... میں مجبور ہوں.... اے کچھ نہیں کہہ سکتی.... کچھ نہیں کہہ سکتی....!“

”اسٹیٹ کی بدناتی ہوتی ہے.... پورہائی نس....!“

”ہوا کرے....!“ رانی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”وہ دیکھئے.... پر نسز تاراگڑھ ہیں۔ اپنے میاں کو کس طرح دبا کر رکھتی ہیں حالانکہ حضرت فوج میں جلاڈ کے نام سے مشہور تھے لیکن پر نسز تاراگڑھ سے شادی ہوتے ہی کالیاپٹھ ہو گئی۔!“

”ہو گئی ہو گئی۔ میں اس کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتی.... اگر خناہ ہو گیا تو کیا ہو گا۔

اگر وہ بھیشہ کے لیے کہیں چلا گیا تو میں کیا کروں گی.... بس جاؤ.... اپنی دوست کی حفاظت کرو.... اور من اسے یہاں سے ہٹا دو....!“

ضدر وہاں سے چلا آیا تھا اور پھر جولیا سے ملا تھا.... اپنی اور رانی کی گفتگو دہرائی۔

”اوہ نہ۔ ختم کرو!“ جولیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تم یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرتا ہے.... اپنی حفاظت میں خود کر سکتی ہوں.... مگر یہ روشنی یہاں کیا کر رہی ہے....؟“

”اس کا جواب تو عمران صاحب ہندے سکیں گے....!“

”تو یہ حقیقت ہے کہ وہ پاگل نہیں تھا....!“

”قطیعی نہیں۔ وہ ایک لسباپاٹ تھا۔ اگر یہ ذرا مدد اسٹیٹ نے کرتا تو بھی اپنے باپ کے گمراہ نہ

پہنچ سکتا۔ اگر گمراہ نہ پہنچتا تو رحمان صاحب غرق ہی ہو جاتے۔“

”بے چارہ جوزف ملبلاتا پھر رہا ہے.... مجھے ذرا ہے کہ کہیں وہ کجھ پاگل نہ ہو جائے عمران

کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھکتا پھر رہا ہو گا....!“

پھر ضدر نے اسے بتایا کہ محل میں روشنی پر کیا گذری تھی۔ جولیا دیر تک نہیں رہی۔

”تم اپنا کمرہ مقفل کر کے سونا۔“ ضدر نے کہلہا۔ ”دروازہ ہر گز نہ کھولنا، چاہے میں ہی کیوں نہ آواز دوں.... سمجھیں....!“

جو لیا نے استفہامیہ انداز میں سر کو جنبش دی....

## O

اب انہوں نے اپنے لیے ایک ایسی پنہا گاہ تلاش کر لی تھی جسے نینا محفوظ سمجھتی تھی.... کی دن ہو چکے تھے جنگلوں میں بستکتے ہوئے.... خیسوں کے آدمیوں سے وہ فیکلے تھے لیکن اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی تلاش اب بھی جلدی ہو گی.... نینا جوان جنگلوں کا کیڑا تھی اس طرح

راہ بھلی تھی کہ اب دوبارہ کسی آبادی تک پہنچنے کی امید نہیں رکھتی تھی... شخونٹی ہر وقت خیسو اور اس کے آدمیوں کو گالی دیتا رہتا۔۔۔!

بننا بھی خیسو کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن شخونے اسے بتایا کہ خیسو ایک براختر ناک ڈاکوبے درجنوں کا قاتل۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی کیونکہ خود اس کے آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔۔۔ جب کوئی مہم درپیش ہوتی ہے تو وہ ان سے آلتا ہے۔ پولیس نے کئی بار ان جنگلوں کو کھنکالا لیکن اسے یا اس کے ساتھیوں کو نہیں پا سکی۔

”سنوا عمران۔۔۔“ بننا عمران کو مخاطب کیا۔ ”میں کہیں ہوں آخر خیسو کو ہم سے کیا۔۔۔ اگر اس نے نہیں لوٹنے کے لیے اس رات حملہ کیا تھا تو پھر بعد میں بھی نہیں گھرے رہنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یکپیس میں جو کچھ بھی تھا اس کے باوجود لگا ہو گا۔۔۔ ایرا خیال ہے کہ یہ اسی کیڑے رہا رہے کی ترکت ہے۔۔۔ خود مقابلے پر آنے کی بہت نہیں پڑی۔۔۔ خیسو کو بھڑکا دیا۔۔۔ مگر اس سے کیا ہوتا۔۔۔ بات تو جب تھی کہ خود ہی دل کی حرست نکلنے کے لیے مقابلے پر آتا۔۔۔“

عمران خاموشی سے ستارہاتھل۔ اس کے چپ ہوتے ہی ہلا۔ ”کچھ بھی ہو مجھ ستری زاوے کی تو خواہ خوندہ شامت آگئی۔“

”تم جھوٹے ہو۔ وہ ہرگز نہیں ہو جو ظاہر کرتے ہو۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ نے جو کچھ بھی کہا تھا کی کہا تھا۔۔۔ تم وہی عمران ہو۔۔۔ ڈاٹریکٹر جنرل رہمان کے لا سکے۔“

”وہ بکواس کر رہا تھا۔۔۔“  
”ہرگز نہیں۔۔۔“ بننا مسکرائی۔ ”میا جھیں وہ لڑکی یاد نہیں جو اکثر تمہیں شیفیوں پر بور کیا کرتی تھی۔۔۔؟“

”لہو۔۔۔“ عمران نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سکوٹے اور بننا نہیں پڑی۔ پھر بولی۔ ”وہ میری ایک سیلی تھی۔ دارالحکومت میں زیر تعلیم تھی اور تمہارے قیمت کے قریب ہی رہتی تھی۔۔۔!“

”وہاب کہاں ہے۔۔۔؟“ عمران نے سختی سانس لے کر کہا۔  
”مشرقی صوبے میں۔۔۔ اس کی شادی ہو چکی ہے!“

”جلد اچھا ہو۔“ عمران نے اس طرح سر ہلا کر کہا جیسے کسی بہت بڑی فکر سے نجات ملی ہو۔  
”تم نے شاید تھک آکر کتے کا پالپال لیا تھا۔ جب بھی وہ فون کرتی تم کتے کے پلے کامنہ ماؤ تھر جیسے لگا دیتے تھے۔۔۔!“

عمران نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور دیر تک نہ تارہ پھر بولا۔ ”کتنے کا پلا کہہ کر اس کی تو ہیں نہ کرو... وہ میرا بھاگتا تھا....!“  
”کیا مطلب....؟“

”میں نے ایک کتیا کو اپنی بہن ملیا تھا....!“  
”اوٹ پنگاٹ باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے....!“ نینا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوتی مسکرائی....!

دفعہ انہی قریب ہی کے ایک درخت سے دھم سے کووا... اذروہ دونوں چوک پڑے۔  
”کیا بات ہے؟“ نینا نے پوچھا۔

”وس بارہ منی ار مکمل لیے... کھیرے آوت ہیں۔“ شیخوہا پناہ ہوا بولا۔

”کھڑھ...!“ عمران نے راکفل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

ٹوٹی نے ہاتھ گھما کر اشارے سے بتایا کہ وہ گھیر اڈال رہے ہیں۔

جہاں ان لوگوں نے جائے پہلا منتخب کی تھی گھنی چھاڑیوں سے چھپی ہوئی تھی اور یہاں کی بڑے بڑے گڑھے بھی تھے.... عمران نے نینا کو ایک گڑھے میں اتر جانے کو کہا.... اور خود کا دھر سے راکفل لٹکا کر ایک درخت پر چھٹا چلا گیا۔ ٹوٹی جس درخت سے اترتا تھا اسی پر پھر نظر آیا۔ اس نے بھی ایک راکفل سنجال رکھی تھی....!

نینا بور ہوتی رہی.... اس کے ہاتھ میں بھر اہواریو اور تھا... وہ ایک طرف پشت نکائے بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ دونوں درخت کافی گئے ہیں۔ ٹوٹی اور عمران حملہ آوروں کو نظر نہ آسکیں گے....

وہ عمران کے متعلق پھر سوچنے لگی تھی کس قسم کا آدمی ہے.... آدمی نہیں بحوث کہنا چاہئے! ملکی طرح جھپٹا ہے ٹکڑا پر.... شادی کو کس طرح پیش کر رکھ دیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں پر بیک وقت کس طرح چھا کیا.... لیکن رانی ساجد گر سے اس کا کیا تعلق۔ کہڑے نے اسے کیوں بندھوار کھاتا ہے.... وہ سوچتے سوچتے او ٹکنے لگی۔ راتوں کو ٹھیک سے سو نہیں سکتی تھی اور دن کو سونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

وہ او ٹکنی اور اوھر اورھر کی سوچتی رہی.... لیکن پھر بیک ایسا معلوم ہوا ہے غنوڈگی کے دھنڈ لکھ سے نکل کر کسی کیکڑے نے اسے کپڑا لیا ہو۔ اس نے چھنچا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ کوئی چیز سخنی سے منہ پر جھی ہوئی تھی.... آہستہ آہستہ ہن صاف ہوتا گیا۔ پھر جو یہاں اس کی سمجھ میں آسکی۔ کسی نے اس کا منہ سخنی سے بند کر کھا تھا تاکہ وہ جیخ نہ سکے.... وہ بے بس تھی.... بالکل

بے نہیں باتھ بھر بھی نہیں ہلا سکتی تھی..... پھر کوئی اس کا گدا بھی گوئے نہیں کہا۔ آنکھوں میں پھر تاریکیاں رقص کرنے لگیں.... اور زہن کسی دلدل میں ڈوبتا چلا گیا.... تاریکی.... گہری تاریکی....!

## O

رانی ساجد گھر منتظر رہانے انداز میں کہانے کی خطر تھی۔ کبھی ملٹنے لگتی اور کبھی پڑتے جاتی۔ کچھ دیر بعد چودبار نے کہرے کی آمد کی اطلاع دی اور وہ خود اٹھ کر اس کے استقبال کے لیے دوڑ گئی۔ ”اوہ.... ڈارنگ.... کب سے خطر ہوں!“ رانی فکایت آمیز بھج میں بھکی۔ کہرا کرے میں داخل ہو کر ایک جاتب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا مودہ نمیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر غلتیں تھیں اور ہونتوں پر خفر آمیز کھاؤ۔ وہ کچھ نہ بولا۔ رانی نے تھیرانہ انداز میں بلکل جھپکائیں۔ ”کیا بات ہے ہمی....!“

”کچھ نہیں!“ کہرا بھرائی ہوئی سی آواز میں اور ایک صوفی میں ذہر ہو گیا۔ ”کچھ تو.... تمہارا مودہ نمیک نہیں معلوم ہوتا۔۔۔ مجھے تھاڑ کیا بات ہے۔ تم تین دن سے مجھ سے نہیں طے۔۔۔ کیوں....؟ میں تمہارے معاملات میں داخل نہیں دینا چاہتی۔ لیکن یہ تو قلم ہے کہ تین تین دن تک مجھ سے نہ ملو۔۔۔!“

”ہوں!“ کہرا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں نے بہت دیرے پی نہیں.... اس لیے....“ ”اوہ.... تو یہ کہو....!“ رانی نے میز پر رکھی ہوئی گھٹی جگائی۔ ایک بخوبی ملازم اندر داخل ہو۔ رانی نے اس سے شراب لوار اس کے لوقاٹات لانے کو کہا۔ پھر اس کے جانے کے بعد کہرے کو پیدا گھری قلروں سے دیکھتی رہی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔۔۔ خود رانی شراب نہیں پیتی تھی.... لیکن کہرے کے لیے اکٹو سے اپنے ہاتھ عی سے مکس کرنی پڑتی تھی....

شراب کی رالی کرے میں آئی.... رانی اٹھی ہی تھی کہ کہرا اخٹتا ہوا بولا۔ ”نہیں تم اپنے ہاتھ بخس س کرو۔۔۔ نماز پڑھتی ہو۔۔۔!“

”تم بھی پڑھا کرو۔۔۔ ڈارنگ....!“ ”اتما زیادہ نہ۔۔۔ کبھی نہیں ہوتا کہ جھوکن میں آکر نماز پڑھنے لگوں۔۔۔ خدا سے میرے پرانے بھگڑے چلے آرہے ہیں....“

”کفر نہ کو۔۔۔!“

”خیر... ہاں یہ تو تھا کہ صدر کا پوچھیکل ابجٹ کیوں آیا تھا...“

”اوہ کچھ نہیں... صدر جنگ پھر سک گیا ہے۔ کسی نے رات کو اس کے یکپ پر حملہ کر کے اس کے کمی آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ اور کچھ آدمی غائب ہیں اس کا خیال ہے کہ یہ حرکت میری ہے کیونکہ اسی دن تم سے اس کا جھگڑا ہوا تھا... اس نے پوچھیکل ابجٹ سے شکایت کی ہے۔“

”مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا... تم اپنے شکاریوں سے پوچھ سکتی ہو... انہوں نے بھڑنا چاہا تھا لیکن میں نے حتیٰ سے روک دیا تھا...“

”ہاں... شکاریوں سے معلوم کر جگ ہوں... انہوں نے جلد نہیں کیا تھا۔“

”پھر تم نے پوچھیکل ابجٹ سے کیا کہا...؟“

”میں نے لا علیٰ ظاہر کی... پھر تیز ہو کر کہہ دیا... جاؤ قبیش کراؤ... میرے شکاریوں کے خلاف کچھ ثابت ہو جائے تو پھر آتا... کیا میں پوچھیکل ابجٹ سے دستی ہوں...“

کہداں تھی دیر میں پے در پے تین گلاں چڑھا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پائے جانے والے برافروختگی کے آثار زائل ہو چکے تھے۔

رانی اسے بیدا بھری نظریوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ دفلتا کہرا بولا۔ ”پتہ نہیں کیوں لوگ مجھ پیسے بے ضرر آدمی سے بھی بھڑکتے ہی رہتے ہیں۔ شہباد میں جتلارہتے ہیں... میرا تو یہ عالم ہے کہ اگر تمہارے ساتھ شادی نہ ہو گئی ہوتی تو کسی قبر پر دھونی رما کر بیٹھ جاتا... ایسے درویشان خیالات رکھتا ہوں...“

”بہا... بن کرو!“ رانی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”وہ بھی تم عورتوں ہی کے لیے کرتے۔“

پھر فس پڑی... کہداں بھی بننے لگا... دونوں دیر ٹک بہتے رہے...!

پھر رانی سمجھدہ ہو کر بیدا بھرے لجھے میں بولی۔ ”روشی کو الگ کر دو...“

”کیوں؟...“

”پتہ نہیں کیوں... مجھے اچھی نہیں لگتی...!“

”مگر میں تو اس سے جر منا پڑھ رہا ہوں...“

”کب تک پڑھو گے...!“ رانی مخفی خیر انداز میں مکرائی۔

”ابھی تو ابتدائی کتاب پڑھ رہا ہوں۔“

”تمہارے سیکرٹری کی کوئی دوست آئی ہے...؟“

”ہاں...!“

”نانا ہے وہ سو بھر ریشنڈ کی رہنے والی ہے...!“

”اُس سے سو نیک پڑھوں گا....!“ کیڑا سر ہلا کر بولا اور پانچوں گلاس میں سائینٹس سے سوڈے کی دھار ملنے لگا۔

رانی نے بر اسامنہ بنیا لیکن جیسے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا پھر مکرانے لگی....!  
پانچوں گلاس چڑھا کر وہ کتوں کی طرح بھوکتے رکھا تھا.... پھر کرسی سے اتر کر کتوں ہی کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رانی کی کرسی کے گرد چکرانے لگا۔ ساتھ ہی چھاؤں چھاؤں بھی کر رہا تھا.... رانی ہنس کر دہری ہوئی جا رہی تھی کیونکہ اس کے ہدوں پر منہ بھی تو مارتا جا رہا تھا.... ”مگد گدیاں اٹھ رہی ہوں گی ساری جان من...!“

## O

پتہ نہیں کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا تھا.... پہلے چاروں طرف اندر ہمراہ اندر ہمراہ نظر آیا.... پھر تھوڑے ہی فاصلہ پر روشنی کا بہت براہمتر ک دصہ دکھائی دیا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کا غبار پختا جا رہا تھا.... اب اس نے محسوس کیا کہ وہ بیال کے نرم زم ڈھیر پر پڑی ہوئی ہے....  
پھر وہ بوكھلا کر اٹھ یعنی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اپنے حق سے آزاد ہونے والی جیج کو کسی طرح نہ روک سکی۔ وہ چہرہ اتنا ہی ذرا دوست تھا.... بہاساچوڑا چکلا چھپرہ.... گھٹنی اور بے ترتیب ڈالز گی سے ڈھکا ہوا.... انگاروں کی طرح دیکھی ہوئی بڑی بڑی وحشت ہاں آنکھیں.... جامت میں دیوبادیو تھا.... میلے خاکی رنگ کے لباس نے اسے اور زیادہ ذرا دوست بنا دیا تھا.... بننے پر کارتوسون کی پتی تھی اور قریب ہی رائل ایک بڑے پتھر سے گلی ہوئی تھی۔  
نینتا نے آنکھیں بند کر لیں.... کیونکہ وہ اسے بھوکی نظریوں سے گھور رہا تھا۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا.... دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی لمحے بھی ہادث فیل ہو جائے گا....  
وختا اس نے ایک بھیاں قہقہہ سا اور گھیر اکر آنکھیں کھول دیں....  
اب اس دھشی کا چھرہ اور زیادہ ذرا دوست ہو گیا تھا.... بڑے بڑے دانت لکھے پڑ رہے تھے....  
”ادھر دیکھے....!“ وہ قہقہہ روک کر غریبا۔ ”میں خیسو ہوں....!“  
وہ کچھ نہ یوں۔ جسم کی قدر تھری کی طرح میٹے کا نام ہی نہ لیتی تھی....!

”ادھر دیکھے....!“ وہ پھر غریبا اور اس طرح چکلا ہوٹ چاٹنے لگا.... جیسے پیسے... تشبیہ صرف نینتا کے ذہن میں گونجی اور جسم کی قدر تھری میں اضافہ ہو گیا.... وہ جاتی تھی خیسو کو....  
کون نہیں جانتا تھا۔ وہ جو آئئے دن آس پاس کے گاؤں پر چھاپے مار کر ٹوکیوں کو اخماں لے جاتا تھا اور وہ کئی دن بعد کہیں نہ کہیں نہ بے ہوش پائی جاتی تھیں.... وہ درندہ تھا۔ سکون کی زندگی بسر

کرنے والے دیہاتیوں پر باز کی طرح آگ رتا تھا۔ اس کے آدمی لوٹ نار اور آتشزندی کے مابہر تھے۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی تھی..... اس کے ساتھی اکثر پکڑے جاتے لیکن وہ اس کی قیام کاہ سے واقع فتنہ ہوتے تھے۔ شیخو ان اطراف کا رہا تھا۔ بعض اوقات تو دوسرے چھوٹے موٹے ڈاکو بھی اسی کے نام پر کام کر جاتے تھے.....

”تو جلدی سے رو دینے والی تو نہیں ہے.....“ اس نے پھر تھہبہ لگا کر پوچھا۔  
نینا پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کے مطلق میں کائنے پر گئے تھے ایسا حسوس ہو رہا تھا جیسے روح نفس عشری سے پرواز کر جائے گی.....!  
شیخو اپنی جگہ سے انہا اور دونوں ہاتھ پھیلائے تھہبہ لگانا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

”بچاؤ.... بچاؤ....“ نینا کے بند ہوتے ہوئے مطلق سے بمشکل تمام کام کر کر زارو ہو سکی....!

O عمران ورختوں کی منجان شاخوں کے درمیان اس طریقہ چھپ لگا تاکہ دیکھے لیے جانے کا اندریشہ نہیں تھا..... تھوڑے فاصلے پر شیخو نوئی بھی اسی طرح تھے آنے والے سلسلہ آدمیوں کی گھر انی کر رہا تھا۔ یہ تعداد میں گلدار تھے۔ کچھ دیر تک وہ تھیک اسی درخت کے نیچے رکے تھے جس پر عمران تھا..... پھر دوسری طرف مڑ گئے تھے اور عمران انہیں بذریعہ دور ہوتے ہوئے دیکھتا رہا تھا..... پھر وہ نظر سے او جبل ہو گئے تھے اور پھر وہی پہلے کاسا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

عمران نے شیخو کو درخت سے اترتے دیکھا اور خود بھی شاخوں پر عبور کرتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ پہلا گاہ میں داخل ہوئے۔ شیخو اچبل پڑا۔ نینا کا کہنیں پڑتے تھے..... انہوں نے آس پاس کی ساری کھانیاں چھان ماریں لیکن وہ نہ ملی....!

عمران پھر اسی گڑھے میں واپس آگیا جہاں شیخو کو چوڑا تھا۔....  
قرب و بوار کا غور سے جائزہ لینے لگا..... شیخو بری طرح بوکھلایا ہوا تھا..... بار بار سینے پر ہاتھ

ملد کر کہتا.....

- ”ہائے بیٹا... تم کہاں گئھو... اب کہاں ڈھونڈی تم کا...“  
”خاموش رہو۔ یورنہ کرو...“ عمران نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا اور جک کر زمین سے تین چمکدار موئی اٹھائے۔

”ایں بیٹا کے ہار کے موئی آہیں....!“ شیخو خوش ہو کر بولا۔

کچھ آگے بڑھ کر دو ایک موتی اور ملے، وہ آگے بڑھنے رہے تھے جس کا انہوں نے بھی منہ  
موزی لیا۔ اس حصے میں زمین پر بڑی بڑی گھاس تھی،...!

”آب کا کرسیوں...“ نونی نے کہا۔

”آپنے اور تمہارے اکھیار لایئے دیب اے عمران نے جھلک کر کہا۔“ آپ بولے تم اور ہم سکھی دیاوا  
تمہارے...؟“

”ہائے بھیا ہمارے مکھ پھر گواہے... اٹھائے لے گئے مuron حرامین بیٹا کا...!“

”او بابا... سوچنے دے...!“ عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ  
اب کہ ہر جانے... دن ڈھلنے کا تھا...!

خنا غیر مسلح نہیں تھی لیکن لے جانے والوں نے اسے مسلح کب رہنے دیا ہوا گا۔ حالات یہیں  
کہہ رہے تھے کہ وہ خود سے نہیں آتی۔ تمہارے ہر طرف ٹکل جانے کا سوال عوامیں یہ دعا ہوتا تھا۔

”عمران سوچتا اور بور ہوتا رہا... دھنلاڑی جیچ پڑا۔“ قبور... قبور...!

”عمران چوک پڑا اور نونی نے ایک جاتب انکی اٹھائی۔ سفید رنگ کا ایک کھوترا را جدرا تھا!“

”کیا کپواس ہے...!“ عمران پھر جھنجلا اٹھا...!

”ارے بھول گئی کا... او سردن بھی کہن رہیں ہا۔“ اس کے قبور تک مت لئی جات ہیں جس سو کے  
پاس۔“

عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات پتے کی تھی۔ وہ کوئی جنگلی کھوترا نہیں تھا۔ سفید رنگ کا  
پاتو کھوتا۔ پاتو کا دیراؤں میں کیا کام بہ تو بتیوں کے آس پاس والے کھجروں میں اترتے ہیں  
لہذا وہ بیٹھنی طور پر خیسوں کا ناحیرہ ہو سکتا ہے۔

بوکھلادہت میں اس نے کھوتا کے ساتھ ساتھ دوڑیوں کی کوشش کر دی۔ لیکن لا حاضر  
کچھ دور جل کر وہ اونچے اور سختے درختوں کی اوٹ میں نظر سے او جل ہو گیا۔ ایسے عمران نے ازان  
کی سست کا اندازہ کر لیا تھا۔ بس بھر دہنک کی سیدھی ہیں جل پڑتے۔۔۔ شخوں اب خاموش  
تھا۔۔۔ وہ چلتے رہے۔۔۔ حتیٰ کہ سورج خردب ہونے لگا۔۔۔

”آب کا ہوا!“ شخو نونی بڑی لیا۔ ”سرجن ڈوبے والا ہے۔۔۔ کہوں مسکانہ صورت ہے...!“

”چلتے رہو۔۔۔ چلتے رہو۔۔۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”آب تو بھکان ہیں بھیا ہم۔۔۔!“

”شٹ اپ۔۔۔!“

پھر چلتے چلتے اندر میرا بھی بھیٹنے لگا۔۔۔ اور شخو نے عمران کو برائیا کہنا شروع کر دیا وہ اپنی

زبان میں کہہ رہا تھا کہ تم تو صدر جنگ سے بھی زیادہ سکی معلوم ہوتے ہو.... آخر رات کہاں  
بھر ہو گی۔ اب بھی غنیمت ہے شب بھری کے لیے کوئی حکما ناٹلاش کر لو ورنہ شاید رات بھر سونا  
بھی نصیب نہ ہو سکے!....!

عمران اسے جواب دیے بغیر چٹا ہی رہا۔ آخر شیخو چپ ہو رہا... اکب وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں اونچی پتھر میں چٹا نیں بکھری ہوئی تھیں.... اور جھماڑیوں کے سلسلے کچھ اور زیادہ کھنے نظر آنے لگتے.....

”اب توہم سے نہیں چلا جاتا...!“ ٹوٹی ایک جگہ اڑ گپا۔

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خیال سے بر باد کر دے .....؟“ عمر ان اس کاشانہ تھکلتا ہوا بولتا۔

”پھر بتاؤ ہم کا کری... ہس پیرا ٹھنی ہے باون ہاکہ کاتھانی۔ مانی گذنس...“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سمجھنے کی سانس لے کر بولا۔ ”آجھا۔ آؤ... ان پڑائنوں میں کوئی جائے پناہ تلاش کریں۔“

ابھی اتنا احلا تھا کہ وہ کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر سکتے تھے...!

عمران ان چٹانوں کا جائزہ لیتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے شیخوٹوںی سے کہا ”یہ تو بڑی شاندار جگہ ہے... پوری فوج چھپا دو۔ یہاں کسی کو کافی کافی خبر نہ ہو گی۔“

”هم اے کیت کہوں نہیں آئن .. . .“ شیخو بولا۔

"تم تصوری اے فارم، بگو اڑھلو سارے۔۔۔" عمالہ نریڑی سخنگی کے کام

"اب کا پڑھے بڑھتی... ہمار سرکار بہت چاہن کہ ہم انگریزی پڑھ لے ای۔ مانہ پڑھ سکن... میں ہمارے داسوں کے لئے اسی خلی... لور لو کا ہوت سے... ذیکر مالا ڈیکھو۔"

أمثلة على "عم الذاكـر" في قصص

مکالمہ شیخ احمد

استھنے میں انہوں نے شب برمی کے لیے ایک اچھی سی جگہ بھی ملاش کر لی۔ چنانوں کے درمیان ایک کافی کشادہ غار تھا۔ عمران نے ایک جگہ نشان بناؤ یا جو کوتھر کی اذان کی سمت اشارہ کر رہا تھا۔

پھر ٹوپی نے کچھ خشک گھاس اور درختوں کی خشک شاخیں اکٹھا کیں..... اور الاؤ جلانے کا... دونوں ہی بھوکے تھے لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی۔ جس سے پیٹ بھرا جاسکے توپی الاؤ کو اشتھان دیتا ہوا آنکھیں رہا تھا۔

ہاں سیاں میں تو نہ جاؤں تل جوری سے

”شخو بھوکے نہیں ہو کیا؟“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”تمہرے ساتھ بھوک پیاس سب مر جات ہے!“ ٹوپی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اور

پھر الاؤ کو اشتغال دینا ہوا گلنگا نے لگا۔

آج دونوں بہت زیادہ چلتے تھے۔ لہذا کچھ دیر ستانے کے بعد جسمانی اور ذہنی تحکمن کا احساس ستانے لگا۔ شخو کی پلکش غنوگی کے بوجھ سے جملکی پر رعنی تھیں۔ عمران کچھ دیر تو آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر گار کے دہانے پر آکھڑا ہوا۔ مطلقاً صاف تھا۔ اس لیے تاریکی گھری نہیں تھی اور یہاں درختوں کے جھنڈ بھی نہیں تھے۔ کہیں کہیں قد آدم جہاڑیاں تھیں اور بس۔

یک بیک عمران چونک پڑا۔ اس کی چھٹی حس اپاٹک بیدار ہو گئی تھی۔

اس نے ٹوپی کو آواز دی۔ ”را تغل لے کر یہاں آؤ۔۔۔!“

”کہاں ہے بھیا۔۔۔!“ ٹوپی نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”وہ سامنے دیکھو۔۔۔ میراں تھی کی سیدھے میں۔۔۔ میلے پر جو درخت نظر آ رہا ہے۔۔۔ اس پر بلکی کی روشنی دیکھ رہے ہو۔۔۔“

”ہم کا تو پکھو نہیں دکھائی دیتا۔۔۔!“ ٹوپی اندر ہیرے میں آنکھیں چھاڑتا ہوا بولا۔

”آؤ۔۔۔!“ عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”ریوالوں بھی لوڑ کرلو۔۔۔“

شخو اس کے پیچے چل پڑا۔۔۔ اور تھوڑی ہی دور چل کر شوکر کھائی۔۔۔ گرتے گرتے بچا۔۔۔ اس طرح غنوگی سے پیچا چھوٹا تھا۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ اس میلے پر پہنچ گئے۔ حقیقت میلے والے درخت کے کچھ حصے پر بیکی بیکی کی روشنی موجود تھی اور اس کے بیکے سے ارتعاش سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بھڑکتے ہوئے الاؤ کی روشنی ہو سکتی ہے۔

میلے پر چڑھائی شروع کرتے ہی انہوں نے دوسری جانب سے ابھرنے والی نسوانی جھینیں سنیں۔ کوئی عورت جیخ رہی تھی۔ ”بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔!“

عمران بے تھا شہ دوڑ۔ چڑھائی دشوار نہیں تھی۔ درخت کے قریب پہنچ کر رکا۔۔۔ پیچے نظر ڈالی۔۔۔ جہاں ایک عجیب التلقف آدمی کسی عورت کو دوڑاتا پھر رہا تھا۔ وہ جیخ رہی تھی۔۔۔ اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے قیقہ لگاتا ہوا اس کے پیچے دوڑ رہا تھا۔۔۔

چاروں طرف سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ وہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ جس

سے بڑی بڑی لکھیں اٹھ رہی تھیں.....

”نینا.... بیٹا....!“ ٹوپی نے سر گوشی کی اور را تقل سیدھی کرنے لگا....

”مٹھرو....!“ عمران نے ہاتھ مار کر را تقل کی نال نیچے گرتے ہوئے کہل۔ ”خاموشی سے اتر

چلو.... یہی خیسو معلوم ہوتا ہے .... تھا ہو گا....!“

وہ بہت سی نیچے اترتے رہے .... نینا کی چیخیں برادر سنائے میں گونج رہی تھیں اور خیسو اس سے اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جیسے کوئی ملی قابو میں آئی ہوئی کسی چوہیا سے کھلتی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جست لگا کر اسے پکڑ لیتا .... لیکن شاید نینا کی ڈری ڈری سی چیخیں اس کی کسی جلت کے لیے باعث تکینہ ثابت ہو رہی تھیں....!

عمران نے نیچے پہنچ کر یہیک اسے لکارا.... ”خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

وہ رک کر مڑا.... اور چند ہیلے ہوئے انداز میں پلکیں جھپکائیں ....

”عمران....!“ نینا چینی پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی .... عمران باسیں ہاتھ سے اسے ایک

طرف ہٹاتا ہوا دہاڑا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!“

اس کے دامنے ہاتھ میں ریو اور تھاجو اس لیکم شیم اور بھیاک آدمی کی طرف اٹھا ہوا تھا....

لیکن وہ بدستور ہاتھ گرتے ہوئے عمران کو گھور تارہا.... ہاتھی اور شنو کا مقابلہ تھا....!

”تو کون ہے....؟“ بالآخر اس نے زم لبھے میں پوچھا۔

”صفدر جنگ کا ایک شکاری....“ عمران نے شیکھے لبھے میں کہا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ خیسو نے لاپرواہی سے کہا۔ ”تو کیا چاہتا ہے....؟“

”لڑکی کو واپس لے جاؤں گا۔ اور تم سے پوچھوں گا کہ ہم لوگوں پر کس نے حملہ کر لیا تھا۔!“

”تو پوچھے گا....؟“ خیسو نے حقارت سے کہا۔

ایک دیوباشتے سے مخاطب تھا....

”لوکی کو واپس لے جائے گا....!“ پہلے ہی کے سے لبھے میں اس نے پوچھا۔

”ہاں بے!“ ٹوپی نے را تقل سیدھی کرتے ہوئے کہل۔ ”لے جا بے.... دیکھت ہی تسلی

کا کر لیت ہے....!“

”اور کون ہے تیرے ساتھ؟“ خیسو نے ٹوپی کی طرف متوجہ ہوئے بغیر عمران سے پوچھا۔

”میں کہتا ہوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... ورنہ گولی مار دوں گا....!“

”مار دے....!“ وہ اپنے بڑے بڑے دانت لگال کر پھسا اور نینا سے بولا۔ ”اوھر آ۔“

وفعٹ ٹوپی نے را تقل کو لامبی کی طرح تول کر اس کے کنڈے سے خیسو پر حملہ کر لیا۔ عمران

”ہائیں ہائیں“ ہی کرتا رہ گیا.....!

پھر دوسرے ہی لمحے میں اس نے ٹوٹی کی جیجنی...! آنکھیں تو صرف اتنا ہی دیکھ سکی تھیں کہ وہ رائق سیست خیسو کے سر کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسرا طرف جا گرا تھا۔

اور پھر دو ایک بار ترپ کراس طرح ساکت ہو گیا تھا جیسے دم ہی نکل گیا ہو....!  
پھر نینا بھی جیجنی تھی۔ شاید اسے بھی ٹوٹی کی موت کا یقین ہو گیا تھا۔

عمران نے جو اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ گرج کر پوچھا۔ ”اب اگر میں تم کو گولی مار دوں تو....“

”مار دے....!“ وہ سینے پر ہاتھ ہار کر کسی گوریلے کی طرح غرانے لگا....

”چلو.... چلو.... بھاگ چلو یہاں سے!“ نینا عمران کے بازو سے لپٹ کر اسے جنمبوڑتی ہوئی بولی۔

”خیسو.... اگر میرا ساتھی مر گیا ہو گا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا....“

”ابے.... آ بھی....!“ خیسو نے پھر کسی پہلو ان کے سے انداز میں ہاتھ ہلا کر اسے گویا کششی لڑنے کی دعوت دی....!

”بھاگ چلو.... عمران بھاگ چلو....!“ نینا پھر گھنکھنیا۔

عمران اس سے اپنا بازو چھڑانے لگا۔ اتنے میں خیسو کو اس پر حملہ کر دینے کا موقع مل گیا....  
اس نے بالکل کسی ہلکے چلکے آدمی ہی کی طرح عمران پر چلا گکھا تھا۔

نینا پھر جیجنی۔ .. عمران چونکہ اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ اس لیے خیسو کو جھکائی نہ دے سکا اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے قرب و جوار کی کوئی بہت بڑی چیز ان جگہ سے اکٹھ کر اس پر آپڑی ہو۔!

نینا اب اس طرح جیجنی تھی جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو....

قریب ہی شخوٹوں بے حس و حرکت اونچا پڑا تھا۔

عمران کو شش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس چنان کے نیچے سے نکل جائے لیکن جنتش کرنا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ ریو اور بھنگھا تھے سے نکل کرنا جانے کہاں جا پڑا تھا۔ نینا کی بدحواسی نے تو اسے نرس سی کر دیا تھا.... لیکن اس نے بڑی پا مردی سے خود کو سنبھالے رکھا۔

اب خیسو کو شش کر رہا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ دے۔ عمران دون بھر کا بھوکا تھا۔ یوں بھی کسی قدر فقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

یک بیک نینا کو ہوش سا آگیا.... اب وہ آنکھیں چڑائے عمران اور خیسو کو دیکھ رہی تھی۔

پھر بڑی بھرتی سے خیسو کی رائق کی طرف جھپٹی جو قریب ہی ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے را تکل کا کندہ پوری قوت سے خیسو کے سر پر پڑا.....  
وہ زخمی شیر کی طرح دھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور نینا کی طرف جبچتا..... عمران نے جو بڑی  
پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ آگے بڑھ کر اس کی ناگلوں میں اپنی ناگ اڑادی۔ پھر کیا تھا  
خیسو اپنے ہی زور پر اڑا اڑا حزم منہ کے مل زمین پر آتا اس کی دھاڑوں سے چٹائیں گوئیں رعنی  
حصیں نینا نے پھر را تکل تو لیکن عمران نے اس کو اس سے باز رکھا.....  
اب وہ خیسو پر سوار تھا۔ کوشش کر رہا تھا کہ ہاتھوں اور پیروں سے اسے جکڑے رکھے.....  
لیکن ممکن نہ ہوا۔ پھر سے نکلا کر اپنے ہی ہاتھ پیروں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں.....!  
یک بیک خیسو لیٹئے ہی لیٹئے اچھا اور عمران دور جا پڑا..... اب خیسو کی باری تھی وہ غارتا ہوا  
عمران کی طرف جبچتا لیکن عمران پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے حملے کا منتظر تھا۔ خیسو کا پھر بیلا  
پن حیرت انگیز تھا۔ ایسی جسمات رکھنے والوں سے ایسے پھر تیلے پن کی توقع نہیں کی جاسکتی.....!  
اب وہ دونوں ایک دوسرے پر حملے کی نیت سے آمنے سامنے کھڑے موقع کے منتظر تھے۔  
استثنے میں نینا نے خیسو کی را تکل کھکھائی.....

”خبردار....!“ عمران نے اسے لکارا ”فائزہ کرنا۔“

خیسو نینا کی طرف مڑا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگادی..... اور اسے ساتھ لیتا ہوا  
ڈھیر ہو گیا۔ لیکن خیسو اس طرح اٹھ کھڑا ہوا کہ عمران کو ایک بار پھر زمین دیکھنی پڑی اور نینا نے  
چیخ کر کہا۔ ”عمران مجھے فائزہ کرنے دو..... یہ شاء اللہ شاریٰ نہیں ہے...!“  
”یہ جانور زندہ پکڑے جانے کے قابل ہے اپنے چیلیا گھر میں رکھوں گا۔“ عمران نے ہاک  
لگائی..... اور خیسو پھر جھلا کر چڑھ دوزا..... اس بار عمران پر چھلانگ لگائی اور حماڑہ ہی نہیں بلکہ  
حتیًّا منہ کی کھائی۔ عمران بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زمین پر منہ کے  
مل آیا۔ جڑا کسی ناہموار پھر سے نکلیا اور ہونٹوں سے خون کی پچکاریاں کی پھوٹنے لگیں۔ اب وہ  
کسی زخمی درندے کی طرح غرار ہا تھا۔ اب کی بار حملہ بداخت تھا۔ نینا پھر روہا نہیں آواز میں چھپی۔  
”عمران مان جاؤ...!“

”نہیں فائزہ مت کرنا....!“ عمران نے بختی سے جواب دیا اور خیسو کو جھکائی دے کر دوسری  
طرف نکل گیا۔ ..... پھر مڑ کر ایک فلاںگ کک اس کے پیٹ پر رسید کی۔ خیسو شاید اس کے لیے  
تیار نہیں تھا۔ شور مچاتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

عمران نے پھر اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ ٹھوڑی پر زور دار ٹھوک کر رسید کی  
اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے پھر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے حلقو سے بیک وقت کئی قسم

کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عمران اس کے دوبارہ اٹھنے کا لختر تھا..... نینا نے پھر کہا۔ ”خدا کے لیے کھیل ختم کرو..... اسے ختم کر دو..... پندرہ ہزار کا انعام تھا اس پر.....“

عمران کچھ نہ بولا۔ خیسو پھر اٹھ رہا تھا۔ اس بار عمران نے اسے اٹھنے دیا۔ لیکن نینا جیخ پڑی.... کیونکہ خیسو کے ہاتھ میں بڑا سا خیبر لہر رہا تھا..... پلکش جھپکائے بغیر وہ عمران کو گھوڑہ رہا تھا۔

”احمق نہ بنو عمران..... میں فائز کرتی ہوں!“ نینا پھر چینی اور اس بار خیسو عمران کو چھوڑ کر اسی طرف گھوم گیا۔ راٹقل نینا کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی.... لیکن وہ اس نکن نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ عمران نے اچھل کر پہنچ سے اس کی گردن پکڑ لی تھی۔ وہ پلٹ پلٹ خیبر فضائیں بلند ہوا لیکن پھر اس کے ہلق سے چیخ لکھی اور وہ پھر گر پڑا۔ اس بار عمران نے باسیں ہاتھ سے تو خیبر والا ہاتھ سنہلا تھا اور اس کا دادا ہاتھ بھی گرفت میں لے کر اس طرح اچلا تھا کہ پیشانی پوری قوت سے خیسو کے ناک پر پڑی تھی.....

”خیبر چینو۔... خیبر.....“ نینا بلبلائی۔.... اب اس نے پھر راٹقل اٹھا لی تھی۔

عمران نے گرتے ہوئے خیسو پر چلا گکی اور خیبر چینے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ تو فولادی پنج تھا۔ عمران جھوم کر دیکا۔ لیکن خیبر کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کر سکا۔....!

اب خیسو پھر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنا خی ہو جانے کے باوجود بھی دم خم وہی تھا عمران کے چکے چھوٹے جا رہے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اس دیوبنے کے ہاتھوں کہیں ٹکلت ہی نصیب نہ ہو.... دوسرا طرف وہ اسے زندہ ہی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

نینا بے حد مضطرب نظر آرہی تھی اور شاید اسے عمران پر غصہ بھی آرہا تھا کہ آخر کھیل ختم کیوں نہیں کر دیتا۔ زندہ یا مردہ خیسو کے لیے پندرہ دنوں سے پندرہ ہزار کے انعام کا اعلان ہو رہا تھا۔ اگر وہ اسے مار بھی دیتا تو کیا ہوتا....؟ کوئی قانونی گرفت تو نہ ہو سکتی پھر....؟ وہ سچ چیخ عمران کو دیوانہ سمجھنے لگی تھی۔

کسی نہ کسی طرح خیبر کے ہاتھ سے نکل گیا۔.... عمران نے اسے ٹھوک ماری اور وہ دور کہیں پھر دوں میں عاںب ہو گیا۔

”اب میں انتظار نہیں کر سکتی۔“ نینا نے جملائے ہوئے لمحے میں کہہ کر پھر راٹقل سیدھی کی۔

”ٹھہر و..... ٹھہر جاؤ!“ عمران نے خیسو کا حملہ بچاتے ہوئے کہا۔ اور پھر نینا کی طرف بڑھتا چلا گیا۔.... اور اس سے راٹقل چینیں کر پھر خیسو پر جھپٹ پڑا۔.... خیسو کو شاید تو قع نہیں تھی کہ اس بار وہ اس پر راٹقل کے کندے سے حملہ کرے گا.... لیکن پھر بھی اس نے عمران پر بھی وہی

داؤ آزمانے کی کوشش کی جس سے ٹوٹی نے مار کھائی تھی۔ عمران کو اس داؤ کا اندازہ پہلے ہی ہو چکا تھا... اس لیے سر بچا کر پالٹ کا ہاتھ مارا... ایک دل خراش چیخ... خیسو پے بے پے چینتا ہوا کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا... پنڈلی کی ہندی ٹوٹ گئی تھی... پھر وہ نہ اٹھ سکا... لیکن دوبارہ اٹھ جانے کی کوشش اب بھی جاری تھی...!

ہاتھ میک کر آدمی دھڑ سے اٹھتا اور پھر دھاڑتا ہوا ڈھیر ہو جاتا... اب عمران را نقل ایک طرف ڈال کر ٹوٹی کی طرف جھپٹا۔ نینا بھی دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی... ٹوٹی کا سر پھٹ گیا تھا... لیکن وہ مر انبیس تھا... بے ہوش ہو گیا تھا... چوتھے گھری آئی تھی....

خیسو آدمی دھڑ سے اٹھا ہوا دھاڑتا رہا۔ اور وہ دونوں ٹوٹی کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرتے رہے... زخم صاف کر کے عمران نے پیٹی باندھ دی تھی۔

خیسو صرف غرار ہاتھا... دھاڑ رہا تھا... ابھی تک اس کی زبان سے کوئی بامقی جملہ نہیں لکھا تھا... عمران نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے پاس اب کوئی اسلخ نہیں رہا۔ ٹوٹی کو انہوں نے ایک طرف پھیلے ہوئے پیال کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ وہ اب تک ہوش میں نہیں آیا تھا... عمران کا خیال تھا کہ اس کی سائنسیں معمول کے مطابق ہی چل رہی ہیں۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔

پھر اس نے ٹوٹی کی را نقل اٹھائی۔ خیسو کا خبر ٹلاش کیا اور اس کی را نقل بھی سمیٹ کر ایک طرف ڈال دی... یہ چیزیں ہر حال میں خیسو کی بیخنے سے باہر تھیں۔ پھر وہ مجسمانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا...!

ایک جانب کسی غار کا دھانہ نظر آیا جس کے اندر ہلکی سی روشنی دکھائی دے رہی تھی... اسے کیا کرو گے...؟ ”نینا نے خیسو کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تل کر کھاؤ گا... تم فکر نہ کرو... آؤ...!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”واقعی بہت زور کی بھوک گئی ہے... صبح سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا... آؤ یہاں دیکھیں...!“

غار کافی کشادہ تھا... اور ضروریات زندگی میں سے شاید ہی کوئی چیز ایسی رہی ہو جو وہاں موجود نہ ہو... مٹی کے تیل کا اسٹوو... کھانا پکانے کے برتن... ایک بڑا سا پیک جس پر بستہ بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب کھال اترے ہوئے پرندوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ تعداد میں آٹھ یادس تو ضرور رہے ہوں گے... کئی بندوقیں اور را نقلیں ایک طرف میگریں کا ڈھیر...!

عمران چاروں طرف دیکھا پھر رہا تھا۔ مٹی کے ایک بڑے سے برتن میں لگی نظر آیا اور عمران نے قلقاری مار کر کہا۔ ”آہ۔ اب تو یہ پرندے تلے بھی جائیں گے....“  
وختانہ نینا عمران کو گھوڑتی ہوئی بولی۔ ”تم کیا کرتا چاہتے ہو.... اسے دہاں تھا چھوڑ آئے ہو  
.... اگر اس کے آدمی آگئے تو....؟“

”اس کے آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے....!“

”پھر بھی....! میں کہتی ہوں کہ اسے ختم ہی کیوں نہ کرو....!“

”بڑی شکدل عورت معلوم ہوتی ہو....!“

”اس حرامزادے سے زیادہ نہیں.... سارا علاقہ جہنم بنا ہوا تھا.... اس کی وجہ سے....!“

”کھانے کھلانے کی فکر کرو.... اسے میں دیکھ لوں گا.... یہاں سب کچھ موجود ہے۔“

عمران سوچ زہا تھا کہ کہیں اب وہ گھستتا ہوا رانفلوں تک شکنچی جائے۔ جنہیں وہ باہر ہی چھوڑ آیا تھا.... اس وقت چوتھتہ تارہ تھی اس لیے وہ ایک ہی جگہ پر سر پختا رہ گیا تھا۔

نینا کو غار میں چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا.... خیسواب بھی وہیں آدمی دھڑ سے اٹھا ہوا الاؤ کی لپکوں کو گھوڑ رہا تھا.... پلکیں جمپکائے بغیر.... آنکھوں میں کرب کے آثار تھے.... عمران کی آہٹ پر سر گھمیا اور غرا کر بولا۔ ”پانی۔ پانی پلاڑے!“

عمران پھر غار میں واپس آیا.... ایک جانب پانی سے بھرا ہوا منکار کھاتا۔

عمران نے بڑے سے تاملوٹ میں پانی اٹھیا اور پھر باہر آگیا۔ اسی طرح آدمی دھڑ سے اٹھے ہوئے خیسوئے بائیں ہاتھ سے پورا تاملوٹ خالی کر دیا۔

”اور لااؤں....؟“ عمران نے بڑے سعادت منداہ انداز میں پوچھا۔

”بس....!“ وہ غریباً.... اور عمران کو گھوڑ تارہ پکھ جو لا نہیں۔ عمران اس کے قریب ہی

بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی گھوڑ تارہ پھر بولا۔ ”ہم پر کس نے حملہ کر لیا تھا....؟“

”کیوں....؟ نہیں تباوں گا....!“

”ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں.... پولیس کے حوالے نہ کروں!“

”پولیس....!“ خیسوئے اس بار بلند آہٹ کے قبیلہ لگایا۔ ”پولیس میری لاش کو بھی ہاتھ

لگانے کی ہمت نہ کرے گی....!“

”اچھا سمجھی تباوں کو تمہارے ساتھی کہاں ہیں....!“

”کیوں بتاوں....!“

”میں تمہیں کوئی بھی بار سکتا ہوں....!“

”ماردے... ابے لوٹے مر نا مارنا میر اکھیل ہے کل سک مار تارہا ہوں آج مر جاؤں گا!“

”میرے پیدا ہے خیسو!“ عمران نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ”بیادوں کس نے حملہ کرایا۔“

”بیادوں....“ خیسو نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا بیادوں گا.... مگر شرط....!“

”بیادوں جلدی سے مری جان.... وہ شرط بھی بیادو....!“

”لڑکی کو میرے حوالے کر دو....!“

عمران نے تحریر انداز میں پلکش جھکائیں پھر بولا۔ ”ابے ناگ توٹوٹ گئی ہے تمہاری... اور!“

”ٹوٹ رہنے دو.... تھہ سے کیا.... بول.... راضی ہے....!“

”پہلے بیادو....“ عمران نے کہا۔

”نہیں ناممکن ہے....!“

”اچھا میں اسے بلاتا ہوں۔“ عمران نینا کو اس کے پاس لایا۔ لیکن نینا کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ خیسو اسے دیکھ کر اپنے خون میں لھڑے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا....

”اب بیادو....!“

”تم پھر اسے واپس لے جاؤ گے.... میں بے بس ہوں....!“

”جہنم میں جاؤ.... مت بیادو.... کیا فرق پڑتا ہے....!“

”یہ پوچھتے تو بیادوں گا....“ خیسو نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اس کے بڑے بڑے دانت نکل پڑے....!

”کیا محالہ ہے؟“ نینا نے عمران سے پوچھا۔

”تم اس سے پوچھو کہ ہم پر کس نے حملہ کر لیا تھا....!“ عمران مسکرا کر بولا۔ ”یہ اس وقت صرف تمہاری ہی باتوں کا جواب دینے کے موڑ میں ہے....!“

”کیا بکواس ہے....!“ نینا بگر گئی اور خیسو کو گالیاں دینے لگی۔ پھر ایک بڑا ساقہ راخا کر بولی۔

”سر کچل کر کہ دوں گی حرامز بلوے....!“

”خدا کے لیے پوچھو! بیوی مشکل سے اس پر راضی ہوا ہے کہ تمہیں بیادے گا۔“

”بول کس نے حملہ کر لیا تھا....?“

”یہ حقیقی ہی....“ خیسو نے دانت نکال دیئے پھر بولا۔ ”ساجد گر گئے کبڑے نے“

”وہ بیان آیا تھا....?“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”روز عی آتا ہے....!“

”لغم سے آتا ہے.... کیسے آتا ہے....!“

”یہ مجھے نہیں معلوم..... بہت امیر آدمی ہے..... بہت پیے دتا ہے....!“

”آج یہاں آیا تھا....!“

”نہیں.... اب آئے گا....!“

”تھا آتا ہے....!“

”ہاں.... بالکل اکیلے....!“

”وہ تم سے اور کیا کام لیتا رہا ہے....؟“

”کچھ بھی نہیں.... بس ملنے آتا ہے....!“

”اے کب سے جانتے ہو....!“

”بہت دونوں سے.... مجھے بھوک لگی ہے....!“

”مل جائے گا کھانا....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا تم تینیں پڑے رہو گے یا تمہیں غار میں لے چلوں....؟“

”تو لے چلے گا.... خیسو کو... میں یا تو تینیں مر جاؤں گا یا اپنے بیروں سے چل کر کہیں جاؤں گا.... اب تو خیسو کو کیا سمجھتا ہے.... تجھے جیسے پھر کا سہارا لے گا۔ بھاگ....!“

خیسو وہیں کھلے میدان میں پڑا رہا اور یہ دونوں غار میں واپس آگئے۔ نینا نے اشوار و شن کیا اور عمران ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر انھوں کو بیٹھ گیا۔ بے ہوش ٹوٹی کوہا تھوں پر اشکار غار میں لاایا اور خیسو کے بستر پر ڈال دیا۔

نینا اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ دیکھے جا رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر۔۔۔ عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بلا کی مخصوصیت پھٹ پڑی تھی۔۔۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی بے حد شریر پچھ بزرگوں کے سمجھانے بھانے پر اپنے شریف ہو جانے پر غور کر رہا ہو۔ دنھانہ نہ کاپ کر بولی۔ ”اُف.... فو.... اگر تم نہ آجائے تو اس وقت کیا ہوتا۔ میرے خدا.... وہ کتاب میاںک آدمی ہے.... مگر آدمی کیوں؟.... پتہ تھیں وہ حیوانوں کے کس روڑ سے تعلق رکھتا ہے....!“

”یا اگر بیٹ تو فی ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”تائک کی ہڈی ثوٹ گئی ہے لیکن ہوش میں ہے.... کیا تم نے ایک بار بھی اس کی کراہ سنی تھی.... پھر وہ کسی کے سہارے حرکت کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہے....!“

نینا کچھ نہ بولی۔ اس نے اشودہ پر فرانگک میں رکھ دیا تھا اور اس میں سمجھی ڈال کر ادھر سے ہوئے پرندوں کے ٹکوئے ملنے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد عمران ایک پلیٹ میں تلے ہوئے گوشت کے لکڑے سجائے ہوئے غار سے نکلا۔  
خیسو ایک پھر پر رکھے ہوئے اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

”خیسو....!“ عمران نے اسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ پھر جنمبوڑا..... لیکن اس نے حرکت بھی نہ کی.... عمران الاؤ کی طرف جھپٹا اور ایک مشتعل لکڑی نکال لایا..... اور پھر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں.... خیسو رپکا تھا..... اور اس کی کپٹی میں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔ جس سے بہا ہو اخون سر کے گرد زمین پر پھیلا ہوا تھا....!

عمران نے لکڑی ایک طرف اچھال دی اور دوڑ کر ایک چبان کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہوشتر سے روپا اور نکل آیا تھا اور وہ سلسل غار کے دہانے کی طرف گھورے جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غار کے دہانے پر نینا نظر آئی۔ وہ چاروں طرف دیکھ کر عمران کو آوازیں دیتے گئی۔ لیکن عمران چہاں تھا وہیں رہا۔  
دفعتا کسی جانب سے ایک نئی آواز ابھری۔ ”یہاں کون ہے۔ سامنے آئے۔ میں راستہ بھول گیا ہوں....!“

آواز عمران نے پہچان لی۔ یہ کبڑے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر وہ بھی سامنے آگیا۔ غار کے دہانے کے قریب ہی رکا تھا۔ نینا جہاں پہلے کمری تھی وہیں اب بھی نظر آرہی تھی۔ ”اوہ.... یہ تم ہو.... تم یہاں کہاں؟“ کبڑے کے لمحے میں حرمت تھی اور اس نے نینا کو مخاطب کیا۔

نینا کچھ نہ بولی.... اور کبڑا پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے قبیلہ لکھا اور بولا۔ ”سمجھ گیا۔ ہر ہائی نس بھی یہاں تشریف رکھتے ہوں گے! کیا وہ بھی میری ہی طرح بھل گئے تھے.... غار تو خاصا معلوم ہوتا ہے....!  
وہ دہانے سے اندر جھانکنے لگا تھا....!

”مجھے ہر ہائی نس کی حضور میں لے چلو....!“ اس نے پھر نینا سے مخاطب ہو کر کہا۔ عمران سوچ رہا تھا کہ کبڑا تھا ہی ہو گا۔ خیسو سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ وہ روزانہ یہاں آتا ہے۔ لہذا خیسو نے بھیڑ بھاڑ کی اجازت ہرگز نہ دی ہو گی۔ کیونکہ وہ تو اپنے آدمیوں سے بھی چھپا پھرتا ہے.... وہ بہت سکی چبان کی اوٹ میں سے نکلا۔ اور اس طرح کبڑے کے سر پر پہنچ گیا کہ اسے خبر نکلنے ہوئی۔

کبڑا نینا سے کہہ رہا تھا۔ ”تم کچھ بولتی کیوں نہیں.... کیا اپنے شینی بابا کو بالکل ہی بھول گئیں.... ارے گودوں کھلایا ہے تمہیں.... بے مرودت کہیں کی....!“

عمران نے سوچا کہ کہیں نینا اعلیٰ ہی نہ پڑے اس لیے خود کو ظاہر کر دینا چاہئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ کبڑے کوئے پیدا شدہ حالات کا علم ہو سکے۔ اس نے بڑی نزی سے کبڑے کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”لگ کوں!“ کبڑا چمپ کر مڑا.... اور پھر عمران پر نظر پڑتے ہی پہنچنے لگا۔ پھر نینا سے بولا۔ ”مجھے ہر ہائی نس کے پاس لے چلو...!“

”ذر امیری بات سن لو... پیدارے....“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے جاتا ہوا بولا.... ”ہوں.... ہوں.... ہوں....“ کبڑا مریب انداز میں پشتا ہوا کہنے لگا۔ ”کہو کہو میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں.... روشنی نے مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتادیا ہے تم میرے بارے میں کسی، بہت بڑی غلط فہمی میں جلا ہو... خیر.... ہاں کیا بات ہے؟“

”تم نے خیسو کو... گولی کیوں مار دی....؟“

”خ.. خیسو... کیا مطلب....؟“ کبڑا بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بتو مت پیدارے.... میں نے اس کی ناگ توزدی تھی.... جان سے نہیں مارا تھا....“

”پچھے نہیں تم کیا کہہ رہے ہو... کیا یہ اسی خیسو کا ذکر کر رہے ہے.... جو اکثر گاؤں پر ڈاکہ ڈالتا رہتا ہے....!“

”ہوں....“ عمرانے طویل سانس لی۔ ”خیر آؤ.... میں تمہیں دکھاؤں!“

وہاں سے خیسو کی لاش کے قریب لایا۔ الاو کی روشنی میں اس کا چھروہ صاف نظر آ رہا تھا۔

”یہ.... یہ خیسو ہے۔“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”متنماز رہا تھا ہے۔“

”تم نے چہلی بار دیکھا ہے!“ عمران نے پوچھا۔

”قطیعی.... اودہ ہٹو ہیاں سے.... مر جانے کے بعد بھی دھلاتے ورنے رہا ہے سمجھتے...!“

کبڑے نے کہا اور خیسو کی لاش کے پاس سے ہتا ہوا بولا۔ ”پھر کیا ہے مزے کرو.... پدرہ ہزار تمہارے ہیں.... مگر کتنے مارا.... کیا ہر ہائی نس نے۔ مجھے ان کے پاس لے چلو....!“

عمران نے متکران انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور نینا کو غار میں واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ کبڑا نینا کے پیچے تھا اور عمران اس کے پیچے۔ غار میں پہنچ کر کبڑے نے اور زیادہ حرمت ظاہر گی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”ہر ہائی نس کہاں ہیں....؟“

”پتے نہیں۔ ہم تینوں تو کئی دن سے ان جنگلوں میں بھلک رہے ہیں!“ عمران نے بڑی سمجھی گی سے کہا۔ ”خیسو کے آدمیوں نے ہمارے یکسپ پر فائزگ کی تھی۔ اندر میری رات میں ہم

سب تتر بر ہو گئے۔ بقیہ لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ ہم نہیں جانتے....!

”خدا کا شکر ہے؟“ کہڑے نے مخفی سانس لی۔ ”میرے سر سے الزام توڑا۔“

”کیا مطلب....؟“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”بڑھائی نس نے پولیٹیکل ایجنسٹ سے شکایت کی ہے کہ میرے شکاریوں نے ان کے کیپ پر فائزگ کی اور اس کے بعد ان کے کچھ آدمی لاپتہ ہو گئے....“

نینا کا چہرہ خصے سے سربخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران نے آنکھ مار کر اس روک دیا کیہڑا ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”میں بڑھائی نس کا نمک خوار رہ چکا ہوں!“ وہ تھوڑی دیر بعد معموم لجھے میں پھر بولا۔ ”مجھے

بے حد رنج تھا۔ شدید الحسن.... کہ آخر انہوں نے میرے متعلق ایسا کیوں سوچا....!“

”لیکن خیسوکی کپٹی میں کس نے گولی ماری؟“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اے۔ مت الوبناو....!“ کیہڑا نہیں پڑا۔ ”تم نے اسے چھوڑ دیا ہو گا۔ بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں سب جانتا ہوں.... چلو تمہارے کارناموں میں ایک کا اور اضافہ ہوا.... ابھی اس کی لاش جیپ پر لادے لیے چلتے ہیں۔“

”مگر تم اس وقت یہاں کیسے؟“

”مقدرات....!“ کیہڑا مخفی سانس لے کر بولا۔ ”زندگی کی کیمسانیت سے آتا کر ان اطراف میں نکل آیا تھا۔ راستہ بھول گیا.... یہاں روشنی نظر آئی۔ سمجھا کوئی گاؤں ہو گا۔ گاڑی اوہر لایا۔ تو یہ.... مگر تم کہتے ہو کہ تمہیں بھی راستہ معلوم نہیں۔ اوہ.... یہ کون ہے....؟“

وہ بے ہوش ٹوپی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

”شیخو... بڑھائی نس کا ایک شکاری....“ عمران بولا۔ ”نمیسو نے اسے اخا کر پھینک دیا تھا۔“

”میرے خدا....“ کہڑے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”اور تم نے اسے جان سے مار ڈالا... یا رغب کے آدمی ہو! مگر بڑھائی نس کو دھوکا کیوں دے رہے ہو۔ مسٹری زادہ بن کر...؟“

وہ ہنسنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران بھی ہنر رہا تھا۔ بالکل احمقانہ انداز میں....

”تمہیں بھوک گئی تھی!“ نینا عمران کو بخاطب کر کے غصیلے لجھے میں بولی اور عمران کو بال

بچ داری کا سالطف آسکیا کیونکہ نینا کا الجھ کسی زوج مادر نہما کا ساتھا....!“

”بھوک تو میں بھی ہوں محترمہ شیم النساء خاتون!“ کہڑے نے کہا۔

پھر انہوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ اس دوران میں موضوع گفتگو خیسوں ہی رہا تھا۔ کچھ دیر

بعد شخو کراہ۔ نینا اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ہوش آکیا تھا اور وہ ہولے ہولے کر اہر بہا تھا۔ پھر وہ اٹھ

بیٹھا اور جیسے ہی کہڑے پر نظر پڑی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے۔ لیکن عمران کو ہنسنے دیکھ کر شنڈا پڑ گیا۔ پھر وہ تسلی ہوئے پرندوں کی خوشبو پر نتھے بھی سکوڑنے لگا۔

”سمعوں بھکان ہیں بیٹا...!“ اس نے منہ چلا کر کہا۔ پھر اس طرح چونک پڑا جسے کوئی بہت اہم بات یاد آگئی تو...!

”او... سردا... کہاں گوا؟“ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں عمران سے پوچھا۔

”اللہ میاں کھیاں!“ عمران نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔

”مارڈ الکو...!“ شیخو اچھل پڑا۔ اور عمران اثبات میں سر ہلا کر کہڑے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن کہڑا جلدی سے بولا۔ ”تم اپنے معاملات نہ چھین دیتا... کہیں تھائی میں گفتگو ہو گی... مگر رواںگی کیسے ہو... اب اس وقت کہاں بجلتے پھریں گے۔ صبحی پر رکھو... روشنی تم سے بہت خاص ہے۔“

”روشنی کون...؟“ نینا نے عمران کو گھور کر دیکھا...!

”گھول بیارے تم نے سب کے سامنے ہی شروع کر دیں وہ باقیں۔“ عمران نے باسیں آنکھ دبا کر کہڑے سے کہا اور پھر نینا سے بولا۔ ”میری اکلوتی خالہ ہے!“

نینا کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

”یہ شاید شیخو ہے...!“ کہڑے نے شیخو کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

”ہاں بھوتی کے تم ہم کا کاہے پہنچیو...! ساید سکھیو ہے!“ اس نے منہ میڑحا کر کے تنخ لجھ میں کہا۔

کہڑا ہنسنے لگا۔ نینا بھی ہس پڑی تھی اور عمران تشویش کن انداز میں شیخو کی طرف ذیکھ رہا تھا۔

عمران رات بھر نہیں سویا۔ وہ کہڑے کی طرف سے مطمئن نہیں تھا... کہڑا رات خرائے لیتکارہا... شیخو اور نینا کی نیندیں اکھڑی اکھڑی سی رہی تھیں۔ اور نینا تو تین بیجے ہی انٹھ پیٹھی تھی۔

”تم سوئے نہیں...؟“ اس نے عمران سے پوچھا اور عمران نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

دونوں باہر آئے۔ چاروں طرف لامتناہی ستائیں بکھرا ہوا تھا۔ آسمان میں ہلکے بادل تھے...!

چاند کی ہلکی روشنی میں یہ ستائیا برا عجیب سالگ رہا تھا۔

”اے ہر گز نہ معلوم ہونے پائے!“ عمران نے سر گوشی کی۔ ”یہ معاملہ تم اپنے ہی مک رکھو گی کہ کہڑے نے ہی خیسو سے حملہ کرایا تھا...؟“

”ہر گز نہیں... میں تو اس کی پڑیاں ترزا دوں گی....!“

”کیا فائدہ ہو گا۔ کوئی بھی یہ بات ثابت نہ کر سکے گا کہ اسی نے حملہ کرایا تھا کیونکہ خیسوس  
چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کہرے ہی نے اسے گولی مار دی۔ اب اسے قطبی نہ معلوم ہوتا جائے کہ  
خیسوس ہمیں سب کچھ بتاچکا ہے.... شایش اچھی لڑکی.... ورنہ میرا کھلی بگڑ جائے گا.... اگر اسے  
معلوم ہو گیا تو پھر ہم کبھی ان جنگلوں سے باہر نہ نکل سکیں گے....!“  
”نینا کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ہاں یہ تو صحیح ہے!  
”وہ پھر خاموش ہو گئے۔ آخر تھوڑی دیر بعد نینا ہی بولی۔ ”تمہارا اس کا کیا معاملہ ہے....؟“

”ہے ایک معاملہ....!“  
”روشی کون ہے؟“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں پوچھا۔  
عمران نے ایک طویل سانس لی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کسی زمانے میں میری  
یکرڑی تھی اب راتی ساجد گمراہ کی سیکرڑی ہے۔“

”تم نے میرے باس سے جھوٹ کیوں بولا تھا....؟“  
”وقتی خور پر کسی ٹھکانے کی خلاش تھی.... اور میرا ساتھی ملک کا سب سے بڑا سائنسٹ  
ڈاکٹر اور تھا.... نام سناتی ہو گا....“  
”نہیں....!“ نینا کے لمحے میں حیرت تھی....  
”ہاں.... وہ ڈاکٹر اور ہی تھا جو ہاں سے بھی غائب ہو گیا۔“ عمران بولا۔ ”لیکن تم اپنے  
باس کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی.... اچھی لڑکی....!“  
”نہیں بتاؤں گی.... مگر....!“

”کچھ نہیں.... ایسا کر کے تم.... ملک و قوم کے لیے بھی ایک بڑا کارنامہ انجام دو گی۔  
عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں نا.... اس لیے اتنی سی بات کو بھی کارنامہ ہی کہنا پڑے گا....!  
نینا کچھ نہ بولی۔ وہ کسی گھری سوچ میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے کر  
پوچھا۔ ”یہاں سے گلو خلاصی کے بعد تم کہاں جاؤ گے....؟“

”خدا جانے....“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جنش دی۔  
”یہ دن جو ہم نے جنگلوں میں گزارے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے۔“  
”وہاگر کوئی لاکھ روپے بھی دے تو دوبارہ اس قسم کے دن گزارنے کی ہمت نہ کر پاؤں گا۔“

”مجھے تو براہمہ آیا....“  
”خیسوس والا واقعہ بھی شامل ہے نا اس مرے میں!“ عمران نے کسی طے تن بڑھیا کے سے  
انداز میں پوچھا۔

نینا پہنچے گی.... اس نے خیسو کی لاش پر نظر ڈالی جواب بھی وہیں پڑی تھی.... ایک سردی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی اور وہ پھوٹش یاد کر کے ایک بار پھر اس کے رو تکنے کھڑے ہو گئے....!

”یہ عورتیں میری سمجھ میں آج تک نہ آئیں۔“ عمران بڑھ لیا۔ ”دن بھر بچوں کے کان کھینچتی ہیں کہ فضول خرچی اور چھوٹ پن سے باز آئیں.... لیکن خود سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر تمیلے والے سے آلو چھوٹے خریدتی ہیں اور کھاتی ہیں گنوٹاریاں....!“  
”کیا موقع تھا اس بات کا۔“ نینا جھنجھلا گئی۔

”اب موقع کا انتظار کون کرتا پھرے.... یہاں تو جب بھی جو سچھ ذہن میں آیا الفاظ میں ڈھل سیا....!“

”شادی ہو چکی ہے تمہاری....؟“ نینا نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔  
”نہیں ہوئی تو اب ہو جائے گی۔“ عمران مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”کیونکہ اب مجھے نوکری بھی مل گئی ہے.... کاؤ بوائے سوٹ میں کیسا لگوں گا....!“

”مت بور کروا!“ نینا نے کھا اور غار کے دہانے کی طرف مزگنی....  
دوسری صبح وہ وہاں سے چل پڑے کہڑے کی جیپ خیسو کے ٹھکانے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود تھی۔ بدقت تمام وہ خیسو کی لاش جیپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔  
”مگر....!“ کبراً تشویش کن لمحہ میں بولا۔ ”ہم راستے کیسے تلاش کریں گے۔“

”پڑوں کی کیا پوزیشن ہے؟“ عمران نے پوچھا۔  
”وہ تو بہت ہے....“ کہڑے نے جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ ”کیا یہ لاش ہر ہائی نس کی خدمت میں پیش کی جائے گی....؟“

”ضروری نہیں ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔  
کہڑا خود بھی جیپ ڈرائیور رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اور ہادر بھکتے پھرے پھر یک لخت کہڑے نے گاڑی روک کر اپنا منہ پینٹا شر وع کر دیا اور استفسدہ پر بولا۔ ”انہیں میرے میں پچھلی رات عقل خبط ہو گئی تھی.... ارے یہ سید حارستہ ساجد گھر ہی کی طرف تو جاتا ہے۔“

”ہم ساجد گھر نہیں جائیں گے۔“ نینا نے جھلا کر کہا۔ اور ٹوپی نے بھی اس کی تائید کی۔  
”تو پھر.... میں تو یہاں سے ہر ہائی نس کی ہوکاری کو نہیں لکھ سکوں گا۔ راستہ ہی نہیں جاتا۔.... البتہ یہ ممکن ہے کہ پہلے ساجد گھر چلو.... وہاں سے انظام کر دیا جائے گا۔“  
”ہم ساجد گھر نہیں جائیں گے.... سمجھے تم!“ نینا آنکھیں نکال کر عمران سے بولی

”من رہے ہو پا رے!“ عمران نے کبڑے کا کوہ رو سہلاتے ہوئے کہا۔  
”بد نظری.... بد نظری....!“ کبڑا دردناک لجھ میں بولا۔ ”دنیا میں کوئی بھی مجھ سے خوش  
نہیں ہے۔ لوگ میرے متعلق ہمیشہ شکو و شہہات میں بتلارہتے ہیں.... خیر میں کوئی صورت  
نکال لوں گا۔ مگر یہ لاش....!“

”میرا خیال ہے کہ تم اسے ساجد گفر کے پولیس اسٹشن پر پہنچا دینا.... کہہ دینا کہ تم نے ہی  
اسے گھیر کر مارا تھا....“ عمران نے کہا۔  
”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ نینا جلا گئی۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا تم نے اسے زیر کیا تھا۔  
چاہتے تو تم ہی اسے گولی مار سکتے تھے....!“

بات بڑھ گئی اور یہاں بھی کبڑے کو ہی ہارا منی پڑی۔ سبھی طے پیا کہ لاش سب سے پہلے  
نواب صدر جنگ کے سامنے پیش کی جائے۔

ایک جگہ کبڑے نے جیپ روکی اور سڑک کے کنارے لگادی۔

”یہ کچا.... راستہ.... باعثیں جانب سید حاکوٹھی کی طرف جائے گا.... میں وہاں نہیں جا  
سکوں گا.... اب تم لوگ کسی نیل گازی کا انظام کرو....“  
”میکا مطلب....!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ہم سب سمجھتے ہے.... یا حرای ایسے نہیں۔“ شیخوٹی نے ہو لش سے رویا اور نکال کر اس  
کی نکال کبڑے کی گدی پر رکھ دی اور اس پر کسی قدر زور صرف کرتا ہوا بولا۔ ”چلو بٹا کوٹھی کیت  
نہیں تو بیججا بھائے دیتے!“

”یہ گک.... کیا بد تیزی ہے....!“ کبڑا جھلانے ہوئے انداز میں اپنی سیٹ پر کسمبلیا۔  
”جبوری ہے!“ عمران مایوسانہ لجھ میں بولا۔ ”اس عکسی سو لجر کو سمجھا لینا میرے بس میں بھی  
نہیں ہے۔“

کبڑے نے جیپ کچے راستے پر موڑ دی.... اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ صدر جنگ کی ٹکاری  
کوٹھی پر جا پہنچے.... صدر جنگ اس وقت کپاٹھی میں تھا کبڑے کو دیکھتے ہی ہو لش پر ہاتھ ڈالا۔  
لیکن عمران دونوں ہاتھوں اپر انٹھا کر چینا۔ ”نہیں باس.... یہ بے قصور ہے! اصل مجرم کی لاش میں  
ساتھ لایا ہوں....!“

صدر جنگ نے خیسو کی لاش دیکھی اور فرط سرست سے اچھل پڑا۔ عمران کو گلے لگا کر پیچے  
ٹھوٹکا ہوا بولا۔ ”یہ کام کیا ہے تم نے۔ میں بہت خوش ہوں تم سے لیکن یہ کم بخت ہمارے پیچے  
کیوں پڑ گیا تھا؟“

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر کبڑے نے بڑے کڑوے کیلے لجھ میں کھد  
اچھا یورہائی نہ اب اجازت دیجئے! شاید میری طرف سے کبھی آپ کا دل صاف نہ ہو سکے۔

”س اور منی پر لعنت بھیج دو“ تو میں پھر جھمیں خوش آمدید کھوں گا۔ صدر جنگ بولا۔

”دل کے ہاتھوں مجبور ہوں سر کار!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لی اور جیپ اشارت کر کے  
اسے کپاؤٹ کے چالک کی طرف موڑ دیا....!

## O

اکی دن عمران کی قیادت میں مقامی پولیس نے خیسو کے اڑے پر چھاپے مارا۔ اس کے  
سامنیوں میں سے کوئی بھی نہ مل سکا تھا.... پولیس پارٹی کے انچارج نے بھی یہی بتایا کہ وہ اپنے  
آدمیوں سے الگ رہتا تھا اور اس کے کسی آدمی کو بھی اس کی قیام گاہ کا علم نہیں تھا۔

غار سے کافی اسلحہ برآمد ہوا.... بیٹری سے چلنے والا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا۔ ساخت جرمن  
تھی۔ اسے دیکھ کر عمران کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں....!

اس نے اسے اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر تھیں انداز میں سر کو خیف ہی جبکش دی۔  
پولیس پارٹی کا انچارج کہہ رہا تھا۔ ”یہ مشکل ہے کہ اب اس کے سامنیوں کا پتہ لگ سکے۔“

”تھوڑی محنت کرنی پڑے گی....!“

”میں نہیں سمجھا....!“

عمران نے کبوتروں کے پنجربے کی طرف دیکھا۔ ایک کبوتر اس وقت بھی موجود تھا۔ تب  
اس نے انہیں بتایا کہ خیسوس کی طرح اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرنا تھا۔

”کبوتر کا تعاقب تو مشکل ہو گا ان گھنے جنگلوں میں!“ انچارج شکرانہ انداز میں بولا۔

”میں بھی ایک کبوتر ہی کا تعاقب کرتا ہو ایساں تک پہنچا تھا....“

انچارج تیار تو ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں سے بے یقینی جماں رکھ رہی تھی۔ عمران نے کبوتر  
کو پنجربے سے نکال کر اڑا دیا.... اور پولیس کے کئی پھر تسلیے نوجوان اس کے پیچے دوڑ پڑے....!

عمران سوچ رہا تھا کہ نامہ بر رکنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر سامنیوں سے رابطہ قائم  
کرنے کے لیے نہیں تھا۔ پھر اس کا کیا مصرف تھا....؟

”تم واقعی بہت کہہے آدمی ہو۔“ صدر جنگ عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا لیا۔ ”کچھ  
دن تو تمہروں گے نامیرے ساتھ.... لیکن ڈاکٹر کو اور کہاں تلاش کرو گے۔ مجھے سخت شرمندگی

ہے کہ اتنے گریٹ آدمی کی کچھ خاطر نہ کر سکا.... میں کیا کرنا تم نے ڈھونگ دی ایسے پھیلانے  
تھے۔ پہلے ہی تجھ کیوں نہ بولے تھے۔“

”تفاضلے مصلحت.... جناب....!“

”آخر کبرے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے....!“

”بے حد خطرناک آدمی ہے.... کسی غیر ملک کا اجنبی ہے.... لیکن پہلے اسے ثابت کرنا پڑے گا۔“

”ہو سکتا ہے!“ صدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ ”جنگ عظیم سے چند سال پیشتر لاپتہ ہو گیا تھا جنگ ختم ہونے پر.... پھر دکھائی دیا تھا۔ کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا تھا۔“

”اس کے دوسرا سے اعزہ کہاں مل سکیں گے؟“

”دوسرے اعزہ!“ صدر جنگ نے قہقہہ لگایا۔ ”شاید وہ باپ کا نام بھی نہ بتا سکے۔“

”اوہ....!“ عمران پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پولیس پارٹی کا انچارج بھی کوت کے تعاقب میں جاپکا تھا۔ اب وہاں صدر جنگ، عمران، شارٹی، ہارڈی اور ٹونی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نینا آج کی مہم میں شریک نہیں ہوئی تھی۔.... وہ ایک چنان پر بیٹھے گئے۔ مطلقاً ابر آگوڈ تھا.... موس مخو شکوار تھا۔

ہائے پوون.... کھمیسو.... تم مارڈیلو اواہ کا۔“ شوخ عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہم کا تو سرد اس لکائے دہس رہے ماں کرچی کا گیندا....!“

شارٹی اور ہارڈی ہنسنے لگے....!

”کبڑا ہمیشہ سے پر اسرار رہا ہے!“ صدر جنگ بولا۔ ”حیرت انگیز صلاحیتوں کا بالک کئی زبانوں کا ماہر ہے.... مل۔ لیکن وہ یہاں کیسے آپنچا تھا۔“

”پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ رہ بھلک گیا تھا....!“

”میں یقین نہیں کر سکتا!“ صدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ خمیسو سے اسی نے ہم پر حملہ کر لیا تھا.... ورنہ اس طرح گھرتے پھرنے کا کیا مطلب تھا۔ اگر صرف خمیسو کا معاملہ ہوتا تو یہ کوئی کھوٹ کر اپنی راہ لیتا.... میرے آدمیوں کو کئی دن تک جگل میں گھیرتا کیوں؟“

عمران نے سوچا صدر جنگ عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہے۔ کافی دور تک سوچ سکتا ہے۔ ”پھر کہو باس! کہی حراثی رہا ہوئی!“ ٹونی سر ہلا کر بولا۔ ”اب کے ملا تو سردا تو ٹھوڑا دبائے دیب.... اہ کی مہتابی کا.... ڈیم بلاڈی باسڑ والا۔“

پھر بات آگئے نہ بڑھی۔ عمران بڑھاتا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے اب ڈاکٹر داوز کی فکر تھی.... وہاں سے وہ پھر شکار والی کو خی میں واپس آگئے تھے۔ شام کو اطلاع ملی کہ پولیس پارٹی نے کوترا کا

کامیاب تعاقب کیا تھا۔ خیسو کے سارے ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے....!

عمران کی خواہش تھی کہ خیسو کے غار میں پائے جانے والے ٹرانسپریٹ پر اس کا قبضہ ہوتا۔ لیکن چونکہ تلاشی کے وقت پولیس بھی موجود تھی اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا۔ رات ہوتے ہی دوسری ہم شروع ہوئی۔ عمران صدر جنگ کو پہلے ہی یقین دلاچک تھا کہ کوئی تھی۔ فرش کے نیچے تہہ خانے موجود ہیں۔ صدر جنگ تو پہلے ہی تلاش کر ہدایت ہدایت عمران کی باری تھی۔ پوری عمارت میں صرف لا بیری ہی کافرش ایسا تھا جہاں تہہ خانے کے راستے کی موجودگی کے امکانات تھے۔ یہاں فرش پر دودو مرلح فٹ کے سفید اور سیاہ ٹائل لگائے گئے تھے۔ عمران انہیں خونکتا بجا تا پھر رہا تھا۔ لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ نینا اس ہم میں شریک تھی۔ صدر جنگ بھی تھا۔ اس کے دوسرے ملازمین بیرونی کپڑوں میں رنگ رویاں منار ہے تھے!

”نہیں یہاں تہہ خانے نہیں ہو سکتے....!“ صدر جنگ بڑبوالا اور نینا عمران کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ایک اسٹول پر بیٹھا لو گئے رہا تھا۔

”تمہارے آتے ہی کتنے ہنگائے ایسے ہیں۔“ نینا نے مکرا کر بڑے پیار سے کہا۔

اور عمران چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگائیں جیسے نیند سے پیچا چھڑانا پا رہتا ہو۔

”جاؤں کا پھاٹا ہے تا۔“ صدر جنگ نے قہقہہ لکایا۔ ”رحمان بھی بہت بڑا جاؤں ہے جب ہم دونوں آسٹفورڈ میں پڑھتے تھے.... ہا۔... کیا زمانہ تھا.... وہ امتحان کے پرچے آؤٹ کر لیتا تھا.... اتنی صفائی سے کہ کسی کو کافوں کاں خبر نہیں ہو تی تھی۔“

عمران نے ایک زور دار قہقہہ لکایا اور پھر سمجھیدہ ہو کر بولا۔ ”ان کی بجلی چلانی.... وہ تو میرا پرچہ بھی قمل ازوقت ہی آؤٹ کر دیا چاہتے تھے.... اللہ نے بڑی خیر کی۔ جی ہاں۔“

”کیا حطلب....!“ صدر جنگ نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔

”میں وہ.... یعنی کہ ....“ عمران شرما کر اپنی انگلیاں مروٹنے لگا۔ ... چھڑہ سرخ ہو گیا تھا.... اور بڑی بڑی پلکیں شرم کے بوجھ سے جگی پڑھی تھیں....

”یعنی.... یعنی کیا جلدی بکو....“

”م۔ میر۔ شش شلواری... کر دینا چاہتے تھے۔“ عمران نے کہا اور اٹھ کر لا بیری سے باہر بھاگ گیا۔ نینا اس رہی تھی اور صدر جنگ کسی ہونق کی طرح آنکھیں پھاڑنے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم اُس رہی ہو۔“ وہ جلا کر دھاڑا۔ ”میں پوچھتا ہوں.... آخر یہ کس قسم کا گدھا ہے۔“

”م۔ میں کیا جاؤں۔“ نینا بول کھلا گئی۔

”نہیں تم تو رہی ہو کئی دن تک اس کے ساتھ....“

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے.... خدا کی پناہ.... اب جب وہ خیسو سے لڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاکل ہو گیا ہو.... ٹوپی کو خیسو نے پہلے ہی بے میں کسی مکلونے کی طرح اچھاں پھینکا تھا.... لیکن یہ....!“ نینا نے آنکھیں بند کر لیں۔

”ہوں۔ تو اچھا۔ بات کروں رحمن سے....!“

”نج.... جی.... میں نہیں سمجھی....!“

”تمہارے لیے یہ لڑکا مجھے بہت پسند ہے....!“

”میں فضول باتیں نہیں پسند کرتی بآس!“ نینا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تم ساری زندگی تو اس طرح نہیں گذار سکتیں.... آخر سلطانہ، در شہوار، نازلی سمجھی کی شادیاں ہوئی تھیں.... اب تم بھی بوجھ معلوم ہونے لگی ہو....!“

”میں شادی نہیں کروں گی۔ میرے خیال سے تواب آپ میری بھی تنخواہ لگا دیجئے۔“

”بکواس ہے۔“ صدر جنگ سجادگی سے نرم لہجے میں بولا۔ ”شادی تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ جو

نہیں کرتے وہ آوار گوں میں پڑ جاتے ہیں۔ عورتیں ہوں یا مرد....!“

صدر جنگ اٹھا اور خود بھی باہر نکل گیا۔.... عمران پورچ میں کھڑا سوق رہا تھا۔ صدر جنگ نے اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ...!“ اور وہ ایک دور افتاب کرے میں آئے۔ صدر جنگ چند لمحے عمران کے چہرے پر نظر جائے رہا پھر پوچھا۔ ”نینا پسند ہے۔“

”ب..... نج.... ہہپ!“ عمران نج میں بوکھلا گیا۔

”میں نے اسے بیٹھوں کی طرح پالا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے.... مجھ پر بارہے.... کیا

خیال ہے تمہارا....!“

”خیال نہایت معقول ہے!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لیکن شاید میری شادی کبھی

نہ ہو سکے....!“

”کیوں؟“

”میں ذیا بیٹس کا مریض ہوں آئے دن طرح طرح کے قلم ہوتے رہتے ہیں مجھ پر.... ابھی کچھ ہی دن ہوئے والد صاحب اپنے بھر صاحب سے کلوچی پکاؤ کر لائے۔ مجھے کھلانی چاہی میں نے طلبی کی تھے نظر سے انہیں سمجھنا چاہا۔ گیوڑ گئے.... کہنے لگے ابے گھوڑوں کو کھلانی جاتی ہے تو ان کی تا انگیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ چپ چاپ قائل ہو جاتا پڑا.... کھانی جتاب کلوچی۔ شام ہی سے خون کا پیشاب شروع ہو گیا اور اب بھی وہی عالم ہے۔“ عمران خاموش ہو کر دردناک انداز میں کرما۔

”بے بیک کلوچی گھوڑوں کے لیے بے حد مفید ہے...“ صدر جنگ نے کہا۔ ”میں بھی اپنے گھوڑوں کو کھلاتا ہوں!“

”ہے!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”آجھا آئیے... اب میں آپ کو تہہ خانے کا راستہ دکھاؤ!“ ”ٹلاش کر لیا!“ صدر جنگ کے لمحے میں حیرت تھی۔ وہ نینا والا معاملہ قطعی بھلا کر عمران کے ساتھ چلنے لگے اور پھر لا بیری ہی میں آئے۔ نینا اب بھی دیہی تھی۔

”یہاں۔“ صدر جنگ نے حیرت سے کہا۔ ”یہاں تو تم پہلے بھی دیکھے ہو!“ ”دیکھ کر.... ذرا تازہ ہوا لینے باہر چلا گیا تھا۔ خیر ہاں تو اب دیکھنے پہلے مجھے نایوں ہی ہوئی تھی لیکن اب میں دھوئی سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہہ خانے موجود ہیں اور کسی قسم کے میکنزم پر ان کا انعام ہے۔“

”بقول رشید احمد صدیقی لوٹے بھی ہو اور سخنے بھی۔“

”ہاتھ کھلن کو آرسی کیا ہے!“ عمران نے کھا اور ایک میز کرے کے وسط میں دھکیل لایا۔ اب وہ اس پر ایک کر سی رکھ رہا تھا۔

”چھت میں ٹلاش کرو گے تہہ خانہ۔“ صدر جنگ خادت آمیر ٹھی کے ساتھ بولا۔

”بس دیکھتے جائیے!“ عمران نے کہا۔ وہ اب کر سی پر تھا اور اس کا داہماہاتھ چھت سے لکھ ہوئے فانوس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نینا نے حیرت سے پکیں جچکائیں اور صدر کی طرف دیکھنے لگی۔ عمران فانوس پر ہاتھ ڈال چکا تھا۔ ایک کھانا ہوں بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی چلتے ہوئے گراموفون کا اسپریگ نوٹ گیا ہو۔ کمرے کے ایک گوشے کا ایک نائل زمین میں دھنس کر نظروں سے او جبل ہو چکا تھا۔

صدر جنگ اسی جانب جھپٹا لیکن عمران نے فوراً ہی آواز دی۔ ”ٹھہریے....“ پھر وہ تینوں بے آہنگی فرش کی دو مریع فٹ والی خلا کے قریب پہنچے۔ اندر تارکی تھی.... کمرے کی روشنی بھی اس تارکی پر اثر انداز نہ ہو سکی....!



کبڑا سونگنگ جیزر پر بیٹھا آگے پیچے جھول رہا تھا۔ قریب ہی رانی کمری اس کے لیے شرائیں سکن کر رہی تھیں۔ وہ زیادہ تر کاک ٹیل ہی پیتا تھا....

”سامنے ڈار لگ۔“ کبڑے نے گلستانی ہوئی آواز میں کہا۔ ”عمران نے خیسو کو مار گرایا!“ ”کے....!“ رانی تھیر انداز میں مڑی۔

”خیسو کو.... اس رات صدر جنگ کے یکپ پر خیسوہی نے حملہ کیا تھا۔ تین چار دن تک اس کے چند آدمیوں کو جنگل میں گھیرتا پھر اتھا۔ انہی لوگوں میں عمران بھی تھا۔“

”اوہ.... تو پھر کیا ہوا....؟“

”مار دیا.... عمران نے اسے .... پہلے ناگ توڑی.... پھر گولی مار دی....!“ کہڑے نے فخر یہ لمحہ میں کہا۔ جیسے اپنی اوالاد کا کارنامہ بیان کر رہا ہو۔

”عمران نے .... اس پاگل نے ....“

”پاگل“ کہڑا نہیں پڑا۔ ”اُرے وہ پاگل کب تھا....!“

”تم کتنی جلدی بدلتے ہو۔“ رانی جلا گئی۔ ”میا تم نے نہیں کہا تھا کہ وہ پاگل ہے میں تو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی....“

”غلط... نہیں.... غلط نہیں!“ کہڑا اپنستا ہوا بولا۔ ”رحمان والا واقعہ میں نے تمہیں بتایا ہی تھا۔“

صاجز اوسے اب تک اسی غلط فہمی میں جلا ہیں کہ میں کسی قسم کا کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔“

”اوہ.... تو وہ بنا ہوا پاگل تھا اور یہاں سراغ رہی کے لیے آیا تھا۔“

”تم بھول رہی ہو! آیا نہیں تھا بلکہ لا یا گیا تھا۔ میں لا یا تھا سے....!“

”کیوں لائے تھے....!“

”تاکہ رحمان ہی کی طرح وہ بھی اطمینان کرے۔“

یک بیک رانی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ قفر قمری پڑ گئی سارے جسم میں اور کہڑا سے غور سے دیکھنے لگا....

”تم باگل گدھے ہو.... باگل.... اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ چیز تھیں پیٹ ڈالوں۔ اب یہ وقت آگیا ہے کہ سرکاری جاؤں میں داخل ہو کر کسی کی نوہ میں رہیں۔ میں نہیں برداشت کر سکتی۔ ہرگز نہیں برداشت کر سکتی.... ابھی پوچھیں کیا ابھی ایجنت کو فون کرتی ہوں!“

”ڈارنگ.... ڈارنگ....“ کہڑا کھکھلیا۔

”کچھ نہیں! میں کچھ نہیں سنوں گی.... دیکھوں گی اس ڈائریکٹر جزل کو.... اور اس کے بیٹے کو بھی.... کیا سمجھ رکھا ہے ان ڈائریکٹروں نے.... آزادی کیا طی کیسیوں کی بن آئی۔ کوئی ڈائریکٹر جزل بن رہا ہے.... کوئی سیدھی ٹری بن رہا ہے....!“

”چیز ڈارنگ۔ ایسا نہ کہو۔ رحمان کا سلسلہ نب برادر است چکنگ خان سے جاتا ہے۔“

”دیکھوں گی چکنگ کے بچے کو۔ میرا بھی سلسلہ نادر شاہ درانی تک پہنچتا ہے.... اب میں کچھ

”نہ سنوں گی!“

”صادر کہہ رہا تھا میری دوست کو بھی نوکری دلوادیجھے۔“

”بس خاموش رہو اور نہ سکھوں کو نکال پاہر کروں گی.... تمہاری وجہ سے اب میری توہین ہونے لگی ہے۔“

یک بیک کبڑا بیج سنجیدہ نظر آنے لگا۔ آنکھوں سے غم انگیز زماہٹ جما لکھنے لگی اور وہ شندھی سانس لے کر بولا ”ٹھیک کہتی ہو! میں واقعی برا ذلیل اور کم بخت ہوں .... مجھے کم از کم تمہاری پریسٹچ کا ضرور خیال رکھنا چاہئے .... لیکن طبیعت سے مجبور ہوں .... خیر منہ کالا کروں گا اپنا.... ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں....!“

پھر وہ آنکھیں بند کر کے کر سی کی پشت سے ملک گیارا نی اسے گھورتی رہی.... آنکھیں اب بھی غصیل تھیں.... لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کے خدوخال میں نرمی آتی گئی اور اب اس کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی فکر مند ماں اپنے شریرو پہنچ کر دیکھتی ہے.... دفعتاً کبڑا اٹھ گیا....!

”کہاں چلے....؟“ رانی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھتی ہوئی بولی۔

”جہاں قسمت لے جائے....“ کبڑے کی آواز گلوکیر تھی۔

”تم نہیں جاسکتے ہمیں ہرگز نہیں جاسکتے۔“ رانی اس کے دونوں شانے پکڑتی ہوئی بولی۔

”میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔“

”تم سمجھتے کیوں نہیں!“ رانی کے لبھ میں رو دینے کا سا انداز تھا۔

”نہیں سمجھ سکتا.... اپنی اقدام طبع سے مجبور ہوں۔ مجھے باندھ کر کہیں بخداو۔ تین دن میں ثی بی ہو جائے گی۔“

”آچھا میں اب کچھ نہیں کہوں گی....!“

”مجھے تمہاری پریسٹچ کا خیال ہے....!“

”جہنم میں گئی پریسٹچ....“

”میں نہیں رک سکتا.... جاؤں گا۔ ضرور جاؤں گا۔“ وہ اپنے شانے چھڑا کر دروازے کی

طرف بڑھا۔

”ہمیں.... ہمیں....!“ رانی گھٹنوں کے مل زمین پر گری اور اس کے پیر پکڑ کر بلبا

اٹھی۔ ”میں مر جاؤں گی.... اگر تم چلتے گئے۔ معاف کر دو۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو میں

تمہارے لیے ساری دنیا سے جنگ کروں گی۔“

کبڑا جہاں تھا وہیں تھا کمر اور رانی اس کے پیر پکڑے روٹی رہی.... اب تو اس شدت

سے رو رہی تھی کہ پورے الفاظ بھی زبان سے نہیں نکل رہے تھے....!

## O

”آپ دونوں بیہلیں ٹھہریے!“ عمران نے صدر جنگ سے کہا۔ ”میں نیچے جا رہا ہوں۔“

”نہیں ہم سب چلیں گے....!“

”کھلیں بکاریے میرا....!“

”آخریہ سب کیا ہے....?“

”بعد میں بتاؤں گا۔ میں بہت دونوں سے کہڑے کے پیچے ہوں۔ وہ ایک ملک دشمن اور انتہائی

خطرناک آدمی ہے....“

”میں تمہیں تھا کسی خطرے میں نہیں پڑنے دوں گا! سمجھے صاحبزادے!“

”عمران نے عوچا۔ واقعی یہ جگلی کھلی بکارڈے گا۔ فی الحال تھہ خانے کا راستہ بند کر دو۔ پہلے

اسے ڈھرتے پڑاؤ.... احتیاط ضروری تھی....“

وہ صدر جنگ اور نینا کو دہانے کے قریب ہی چھوڑ کر فانوس کی طرف جھپٹا اور پھر وہ دونوں

تھہ خانے کا راستہ بند ہوتا دیکھتے رہے۔

صدر جنگ کے استفسار پر عمران بولا۔ ”ابھی مناسب نہیں ہے۔ رات ڈھلنے دیجئے۔“

”فانوس میں کیا ہے؟“ صدر جنگ نے پوچھا۔

”فانوس چھت میں مستقل طور پر فکس ہے۔ نچلے حصے سے ایک تار اوپر تک گیا ہے۔ یہ تار

قطی غیر ضروری ہے۔ عمارت کے کسی کمرے میں فانوس نہیں دکھائی دیئے لیکن یہاں موجود

ہے۔ لہذا اس کی طرف توجہ مبذول ہو گئی.... پھر اس میں بھی ایک غیر ضروری تار... اسی تار

کو کھینچنے سے راستہ بنتا ہے۔“

”لیکن تھہ خانے میں کیا ہو گا؟“ صدر جنگ نے مفطر بانہ انداز میں پوچھا۔

”پکھ دیر بعد دیکھ ہی لیں گے۔ فرمت سمجھئے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

پھر جب رات ڈھلے بالکل سناثا چاگیا۔ عمران نے صدر جنگ کو مطلع کئے بغیر لا بھری کی

راہی۔ دوبارہ تھہ خانے کا راستہ پیدا کیا اور ایک چھوٹی سی تاریخ کی روشنی تاریک خلاء میں ڈالی دو

فٹ نیچے سیر ہیاں نظر آئیں۔ وہ بے جھگ بیچے اترتا چلا گیا۔... پہاں گھری تاریکی تھی اور کسی

قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی.... اب وہ محظاٹ ہی ہو کر تاریخ روشن کرنا چاہتا تھا.... بڑی دیر

تک ایک ہی جگہ کھڑے رہ کر سن گن لیتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا....

تاریخ کی محدود روشنی اندر ہیرتے میں چاروں طرف چکراتی رہی.... عمران نے یہاں اتنے ہی کمرے شمار کیئے جتھے اور پرستے... اور پھر کچھ دیر بعد وہ چپ چاپ اوپر واپس آگیا۔ اب وہ صدر جنگ کی خواب گاہ کی جانب رہا تھا۔ اسے جا گئے ہی پایا۔ وہ بہت ہی مضطرب نظر آ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں خوابگاہ سے باہر آئے دوسرا ری راہداری میں نینا سے مدد ہیز ہو گئی۔ وہ شاید اسی لفڑی میں تھی کہ کہیں وہ دونوں اسے نظر انداز کر کے اکیلے ہی تہہ خانے میں نہ اتر جائیں....!

"تم جاگ رہی ہوا بھی!" صدر جنگ نے اس سے پوچھا۔

"مجھے دیکھنا ہے کہ ان حضرت نے اب کون سا بڑا تیر مارا ہے....!"

عمران خاموش ہی رہا۔ صدر جنگ نینا کو بھی ساتھ لے چلے پر متضض نہیں ہوا تھا۔ وہ تینوں

بعافیت تہہ خانے میں اتر گئے....!

"اب آئے! میں آپ کو اپنے بچا جان سے طاؤں!" عمران نے آہستہ سے کہا اور انہیں ایک ایسے کمرے کے سامنے لایا جس کے دروازے میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور وہ کسی جبل ہی کی کوٹھری معلوم ہوتی تھی۔ عمران نے اندر تاریخ کی روشنی ڈالی۔ سامنے ہی ڈاکٹر داور فرش پر بے خبر سور ہے تھے۔

سلاخوں دار دروازہ مغلل تھا....!

"مغل تو زد و....!" صدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں سر کار...." عمران سر ہلا کر بولا۔ "اُبھی بہت کچھ باشی ہے پہلے اسے بھی دیکھ لجئے اور یہاں کی کسی چیز کو بھی باٹھ لگائے بغیر چپ چاپ واپس چلے!"

"گیوں؟"

"جس بعد میں کروں گا!" عمران اس کاٹھ پکڑ کر ایک جانب گھینٹا ہوا بولا۔ اور پھر تو صدر جنگ کی آنکھیں جیرت سے پھیل کر رہے گئیں۔ کئی کمرے مغلل قسم کے اسلو جات سے پہنچے تھے۔ نای گئیں، برین گئیں، دستی ہم، ہلکی مشین گئیں وغیرہ.... رانکلوں کا شمار ہی نہیں تھا.... صدر جنگ کے جسم میں قدر تقریب پڑ گئی اور عمران اسے بدقت تمام تہہ خانے سے واپس لایا۔ نینا کا چہرہ بھی زرد تھا۔ آنکھوں سے خوف جھاک رہا تھا.... وہ پھر صدر جنگ کی خواب گاہ میں آئے۔

صدر جنگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب کیا ہو گا۔"

"مکان آپ کا ہے کوئی بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار ہے ہو گا کہ آپ تہہ خانوں کے وجود سے لا عالم تھے۔ کہڑے کے خلاف ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سب کچھ اسی نے اکٹھا کیا ہو گا۔"

”پھر بتاؤ.... میں کیا کروں....“ صدر جنگ ایک کرسی میں گرتا ہوا نجف آواز میں بولا۔  
اس کے پورے چہرے پر پینے کی نفحی نفحی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔  
”نیں الحال خاموشی اختیار کیجئے۔ یہ بات ہم تینوں سے آگے نہ بڑھنے پائے کسی کو یہ بھی نہ  
معلوم ہونا چاہئے کہ ہم تہہ خانے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“ عمران نے کہا اور پھر  
کمرے کی فضا پر بوجل ساسکوت طاری ہو گیا۔

”اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں پھر تہہ خانے میں جا رہا ہوں۔ نکاہ کا دوسرا راستہ بھی  
تلاش کروں گا۔“ عمران نے اٹھتا ہوا بولا۔

”دوسرے راستے!“ صدر جنگ نے تیرت سے کھل۔ اس وقت اس کا ”کاؤ بوانے“ پن بالکل  
رخصت ہو چکا تھا۔ اسراڑ اُس کا دور دوڑ تک پتہ نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے  
کسی طویل بیماری سے حال ہتی میں نجات پائی ہو....!

”ہاں.... دوسرا راستہ بھی!“ عمران بولا۔ ”کیونکہ کسی دوسرے راستے کے بغیر تہہ خانوں کا  
کوئی مصرف نہیں رہ جاتا۔ میراد عویٰ ہے کہ یہ راستہ کوئی سے باہر نکلا ہو گا....!  
پھر عمران انہیں تحریز دہ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا....

## O

صدر بڑی الجھنوں میں تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے وہ کہڑے کے پیچھے  
کیوں لگایا گیا تھا؟.... اسی لیے تاکہ اس کے خلاف کسی قسم کے ثبوت فراہم کرے لیکن کیا وہ اب  
تک اس کی کسی غیر قانونی حرکت سے واقع نہیں ہو سکا تھا دارالحکومت میں اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ  
کوئی بہت بڑا اسکندر ہے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ رانی ساجد گفر کا شوہر ہے تو اس کے  
سارے ترک و احتشام کا بھی جواز پیدا ہو گیا تھا۔ رعنی غیر متوازن طرز زندگی کی بات تو اس کے  
لیے دنیا کا کوئی قانون اسے کسی قسم کی سزا نہیں دے سکتا تھا....  
تو پھر وہ اب تک جنگ ہی مارتا رہا تھا۔ خواہ جو لیا کو بھی بلوا بیٹھا تھا اور وہ ہر وقت دماغ  
چاٹتی رہتی تھی۔ بار بار استفسار کرتی کر اسے کیوں بلوایا گیا ہے۔  
روشنی البتہ مگن تھی کیونکہ اس کا راز تو ظاہر ہی ہو چکا تھا۔ دن رات کہڑے کے ساتھ کلیلیں  
کرتی پھرتی....

کہڑے نے توجیا کو بھی ڈھب پر لانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے زیادہ لفت ہی نہیں  
دی۔ رانی نے صدر سے کہا ضرور تھا کہ جو لیا کو یہاں سے ہٹا دے لیکن پھر اپنی جو بیزو اپس لے لی

تھی۔ اندر ہی اندر جو کچھ بھی ہوا ہو۔ صدر کو وجہ نہیں معلوم ہو سکی تھی۔

اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے اور صدر اپنے کرے میں تھا بیٹھا بور ہو رہا تھا۔... دفتار کی فروزانے پر دستک دی۔...

”آ جاؤ...!“ صدر نے جھینگلا کر کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے تعقیم کے لیے اٹھ جانا پڑا۔ کوئی نکلہ دروازے کو دھکا دے کر اندر آنے والا ہمگ دی گردی تھا۔

دھاکر ایک آرام کریں میں ذہر ہو گیا صدر نے محسوس کیا کہ آج کچھ فرمند سانظر آ رہا ہے۔  
”میاں فرمندی کی وجہ پوچھ سکوں گا یور ایڈیو سکرنسی!“ صدر نے کچھ دیر بعد کہا۔

کبڑے نے کشیدہ ابر و دوں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ صدر اسے تحریر انداز کیچھ رہا تھا۔ کیونکہ پہلے بھی وہ اتنا فرمند نظر نہیں آیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ”کچھ پلاو...!“

”یہاں سادہ پانی کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا یور ایڈیو سکرنسی!“

کبڑے نے اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اس نے کوئی بات اس کی شان کے خلاف کہہ دی ہو۔  
لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ قبھی کی طرح پلنے والی زبان آج نہ جانے کیوں جبیش کرنے میں بھی کاملی محسوس کر رہی تھی۔....

کچھ دیر بعد وہ پھر صدر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”میں نے تم کو کیوں ملازم رکھا تھا؟“

”ایک آدمی کو قتل کرنے کے لیے...“

”لیکن تم نہیں کر سکے...!“

”ملاکب تھا....“

”مجھے معلوم ہے کہ ملکہ سر اغرسانی بھی اس کی طلاق میں ہے۔“ کبڑے نے کہا۔ اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ کرے پر خاموشی مسلط تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”پھر حال تم نے ابھی تک میرے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا فرمایا تھا سر کارے جو میں نے نہیں کیا۔“

”خیر کوئی بات نہیں.... آج رات کو تیار رہنا ایک خاص قسم کی ہمہ درجیں ہے۔“

”ہمہ کی تو عیت کیا ہو گی۔ بتا دیجئے تاکہ اسی کی مناسبت سے تیاری کی جائے۔“

”تو عیت کی گرفتہ کرو.... مردے نہیں ذہونے پر دیں گے۔“

”اس کے لیے بھی تیار ہوں سر کار!“

”تمہاری دوست کہاں ہے؟“

”ہو گی کہیں....“ صدر نے لاپرواں سے کہا۔  
 ”بُوے خوش فیض ہو!“ کہا ہوتاں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”ارے وہ تو آئس کریم ہے  
 آئس کریم....!“

”میں نے بھی غور نہیں کیا.... ضرورت بھی کیا ہے!“

## O

رات تاریک تھی۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لیے سنان راہیں تاروں کی  
 چھاؤں سے بھی محروم ہو گئی تھیں....  
 صدر اور ہمگ جیپ میں سفر کر رہے تھے۔ صدر کو علم تھا کہ کہا اپوری طرح ملکے ہے....  
 ”کیا خیال ہے۔ یورائیٹو سکریئن۔“ صدر نے پوچھا۔ ”ٹھائیں ٹھوئیں کی نوبت بھی آجائے  
 گی یا نہیں....!“

”کیوں؟“ کہا چوک پڑا وہ خود عی جیپ ڈرائیور کر رہا تھا۔  
 ”بس یو نہیں پوچھ لیا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں۔ دیسے میری انگلی ٹریکر پر چلنے کے لیے بہت  
 دونوں سے بے چین ہے....!“

کہرے کی ”ہوں“ کافی طویل تھی.... پھر راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا صدر کے لیے  
 منزل نامعلوم تھی۔ اس کے پوچھنے پر بھی کہرے نے کچھ نہیں بتایا تھا....  
 کچھ دیر بعد کہرے نے جیپ ایک دیوار نیں میں روک دی۔ چاروں طرف جھاڑیاں اور چھوٹی  
 موٹی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر آئے پھر کہرا ایک جانب چل پڑا۔ صدر  
 اس کے پیچے چل رہا تھا۔ اس نے اپنی ہاتلوں کی جیب تھپتھپائی ریو الور موجود تھا اور کسی لمحے بھی  
 آتشیں نظر نہیں کے لیے باہر نکل سکتا تھا....!

پھر وہ کچھ اوپنی چٹانوں کے درمیان ایک ٹھنک سے درے میں داخل ہوئے.... یہاں  
 کہرے نے نارج روشن کر لی....!  
 تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ بیدل چلتے رہے! بھی کھلے میں نکل آتے اور بھی پھر دشوار گزار  
 راستوں سے گزرنما پڑتا۔ بالآخر ایک ٹھنک کہرے نے رک کر چاروں طرف نارج گھمانی۔ روشنی کا  
 دائرہ اندر میرے کاسینہ چاک کرتا پھر ا..... یہ جگہ بھی اوپنی ٹھنکی چٹانوں سے بھری پڑی تھی....  
 اب وہ ایک گار کے ٹھنک سے دہانے میں قدم رکھ رہے تھے.... نارج نہ ہوتی تو ایک قدم  
 چلانا بھی محل ہو جاتا۔ کوئکہ گار کی تار کی بے داغ تھی۔

پھر ذرا ہی دیر بعد صدر پر تاریخ توں کا پیہاڑا ثوب پڑا کیونکہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں کھڑے تھے۔ تاریخ کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے دروازے پر رکا تھا جس میں سلاخوں دار دروازے کے

قریب پہنچنے پکے تھے اور تاریخ کی روشنی سلاخوں سے گزر کر کمرے کے اندر پہنچنے تھی۔ سامنے ایک آدمی نظر آیا جو پاتھی مارے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ تاریخ کی روشنی سے چند صیار کا اسکن نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہر چند کہ بڑھے ہوئے شیو نے چہرے کو بدہیت بنا دیا تھا۔ لیکن صدر کو پچھاں لینے میں دشواری نہ ہوئی یہ ذا کٹر دا اور تھے۔

”یہ ریاست کا قیدی ہے اسے بھاں سے دوسرا جیل میں منتقل کرنا ہے۔“ کہر نے کہا۔ ”چھوٹتے ہی تو محلہ نہ کر پہنچے گا۔۔۔“ صدر نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ خطرناک آدمی نہیں ہے۔“ کہر نے کہا اور جھک کر قفل میں کنجی کا نہ لگا۔ اس نے تاریخ بجا کر صدر کے ہاتھ میں دے دی تھی قفل کمل ٹر فرش پر گرا۔۔۔ دروازہ دھکیلے جانے کی آواز اندھیرے میں گوئی اور کہر نے سر گوشی کی ”تاریخ ہو شن کرو۔۔۔“ لیکن قبل اس کے کہ وہ تاریخ کا شلن دباتا۔۔۔ تیز قسم کی روشنی میں نہایا گیا۔ ساتھ ہی گر جدار آواز سنائی دی۔ ”اپنے ہاتھ لو پر اٹھاؤ۔۔۔“

روشنی سرچ لائٹ کی تھی۔ دونوں یوکلا کر مرڑتے اور ان کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں۔ چند مٹری آفیسر زانہیں کہر نے ہوئے نصف دائرے میں کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں نامی گھنیں تھیں۔ ان کے قریب ہی عمران کھڑا سکرار ہاتھ۔

”ہائی۔۔۔ یہ کیا؟“ کہر نے صدر سے کہا۔ ”اب یہ تو نے مجھے کہاں لا پھنسلیا ہو۔ خوبصورت لڑکیاں کہاں ہیں؟“

”نہیں چلے گی بیتا۔۔۔ چاروں طرف سے جگڑ چکا ہوں!“ عمران نے تہہ لگایا۔ ”اب تم کسی طرح بھی نہیں بچ سکو گے۔ یہ مٹری کی سیکرٹ سروس کے آدمی ہیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا برخوردار۔۔۔ ممکن تھا تم بھاں کہاں۔۔۔ کیا اب رہتی بازوی بھی شروع کر دی ہے۔“ کہر نے سکرا کر کہا۔

”ھھریاں ڈال بدواس کے ہاتھوں میں۔۔۔“ عمران غریا۔

”ڈال دو۔“ کہر ابھر اتی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر جلا کر صدر کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔ ”یہ کہاں لا پھنسلیا تو نے مر دو۔ کہاں میں وہ طردار رہیاں جن کی لاچ دلا کر مجھے بھاں لایا تھا!“

”ہائی۔۔۔!“ عمران بھی صدر کو گھور کر بولا۔ ”تم نے بڑیوں کی دلائی کب سے شروع

کر دی صاحبزادے، میں تمہارے والد صاحب کو ضرور خط لکھوں گا۔“

”کیا تم اسے جانتے ہو....؟“ کبڑے نے تختہ بجھ میں پوچھا۔

”میوں نہیں.... اپنے ہی پیٹ کے کیڑے کونہ جانوں گا۔“ عمران نے کسی بڑھیا کے سے انداز میں کہا۔

”میا مطلب....؟“

”یہ سکرٹ سروس کا ایک مجرم ہے پیداے پچھے شتر!“

”ڈو... ڈوب گیا....!“ کبڑا آگے پیچے جھولتا ہوا بولا اور دھم سے.... اوندھے منہ فرش

پر آگرا۔

”تینی گنوں کا رخ اس کی طرف کئے رکھو۔“ عمران نے ملٹری آفیسرز سے کہا۔ ”مکارا عظم ہے۔“ لیکن عمران کی ایک نہ چلی کیونکہ وہ آخری مکاری کے پیشترے بھی دکھائی گیا تھا۔ گرتے گرتے جیب سے ایک شیشی نکالی تھی اور اوندھے گر کر اسے منہ میں الٹ لیا تھا۔ سب سمجھے کہ چکر اکر گر گیا ہے.... غشی طاری ہو گئی ہے۔

اب خالی شیشی اس کی مٹھی میں دبی ہوئی تھی اور سر لیج الائرز ہر اپنا کام کر چکا تھا.... یہ تھا ہزاریوں سکریں ہمگ دی گریٹ کا انجام۔ یعنی جیتے ہی اسے کوئی بھی ہاتھ نہ لگا سکتا تھا۔

## O

صدر نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ رانی ساجد گھر کے محل میں بھی تہہ خانوں کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ پرانی عمارت میں کبڑے ہی نے ایک حصے کا اور اضافہ کر لیا تھا.... لہذا عمران نے اس سلسلے میں پہلی بھل اجنبت سے گفت و شنید کر کے تلاشی کا اجرا نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اب صدر کی قیادت میں محل کی تلاشی ہو رہی تھی اور عمران رانی کے ساتھ مخفی چیزیں کر رہا تھا۔ وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کبڑا بہت ناخبار آدمی تھا۔

”میا آپ کسی غدار کو برداشت کر سکتے ہیں؟“

”وہ غدار نہیں تھا۔“ رانی سکیاں لستی ہوئی بولی۔

”بہت بڑا غدار....! صدر جنگ کے تہہ خانوں سے کچھ کا نقہ دات بھی ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر ملکی اجنبت تھا اور یہاں ایک مخصوص تم کے انقلاب کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر داور سے آپ واقعہ ہوں گی وہاں کی قید میں تھے جس ملک کا وہ اجنبت تھا اسی ملک سے ایک ایسا یارہ چھوڑا گیا تھا۔ جس کے سکھل صرف اسی ملک کے مخصوص رسیور ہی تھے کہ

سکتے تھے۔ بقیہ دنیا کے لیے وہ سیارہ قلعی بے آواز تھا۔ لیکن ڈاکٹر داور نے اپنے ملیٹیسکوپ کیسرے سے اس کی تصویریں اتاری تھیں۔ ہمگ نے وہ تصاویر حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی ملیٹیسکوپ کیسرہ بھی ازادیا چاہتا تھا کیونکہ ویسا کیسرہ ساری دنیا میں صرف ڈاکٹر داور ہی کے پاس تھا۔ آپ جانتی ہیں گی کہ وہ کتنے بڑے سانشست اور ماہر فلکیات بھی ہیں۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی نامعلوم آدمی ان کی تجربہ کا گرد منڈلا رہا ہے تو انہوں نے کیسرہ اور اس سے لی ہوئی بے آواز سیارے کی تصاویر کی مخنوظ مقام پر پہنچا دیں۔ پھر ہمگ نے جلا کر انہیں پکڑا ہیا اور ان پر تند دکڑا رہا کہ وہ ساری چیزیں اس کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی سنئے کہ وہ اس غیر ملکی سختیم کا سراغ نہ تھا۔

”وہ سب کچھ تھا گریہ بتاؤ کہ اب میں کیا کریں؟“ رانی پھر بلک بلک کرونے لگی اور تو اور روشنی صاحبہ بھی سسکیاں لے رہی تھیں۔ ان کی اس سختی کی سرخ تھیں اور پکلوں پر ورم آگیا تھا۔ عمران نے اسے علیحدہ لے چاکریا۔ اسکا آخر ہو کر انہیں رو رہی ہے۔

”بہت گریٹ آدمی تھا۔“ رو رہنے والے اسکے ساتھ ملک دہنے والے عمران وہ مر گیا۔ یہ قین نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میر نے دیکھا ہے کہ کوئی اگر وہ میں ہو گیا ہو۔“

”ہائی۔ ہائی!“ عمران نے تیرتے اسکے پہنچنے کا۔ ”یہ تم کہہ رہی ہو... تم...!“ ”ہاں میں کہہ رہی ہوں۔“ جو کچھ بھی کہہ دیتی ہوں وہ کسی مرد کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا۔“ عمران نے براہمہ کو شفہ سکھ کر کوئی شدید ہی چیز کہ دیے۔ اور پھر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

کہیں ڈھنڈتے اس میں تھا تھا۔ شام کے سات بجے تھے لیکن کام بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ دوسرا دل کو گھنی ساختے ساقوں الجھائے رکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔ اس کے سارے مانح کو شفہ سکھ کر کوئی شدید ہی چیز کہ دی سے آگئی تھی۔

”جب کہاں پہنچنے دو۔“ ایک غراہت بھی سانی دی اور پھر یونے والا اچمل کر سامنے پہنچ کر کہاں کہاں چھوڑتے گئی نے روچ قبض کر لی ہو۔ پھلوڑ دا سامنے کفر تھا اور اعشار یہ چار پانچ ہے۔ اور میں ہدوں تک ہاتھ میں ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے قدیم داستانوں کے کسی جادو گر کا طلبیاں

لیکے مراجی ہیں یہاں کے کپتان صاحب!“ اس نے مسکرا کر کہا اور یوں اور فیاض کے حاشیے پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”آج میں خود ہی گرفتار ہونے کے لیے آیا ہوں۔ کہڑے کا انعام تو تمہیں

معلوم ہو ہی گیا ہو گا۔“

”مہم چپ.... فیاض ہے کلایا۔

”حکھڑیاں منگوائیے۔ سر کار۔ سوچ کیا رہے ہیں؟“ اس کی آواز سن کر فیاض اچھلی پر اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل مل کر اسے گھوٹ دی۔

”تت.... تم.... ہو....!“

”ہاں میری جان....“ پھلو نزو دا نے اپنے چہرے پر اسکے گول اشارتے ہوئے کہا۔

”میں ہوں تمہارا اونی خادم علی عمران ایم ایس سی پی (سیکریٹری) (اس کریم)“  
”لل۔ لیکن“

”پھلو نزو اپنے نہیں کب کام کھپ گیا ہو گا.... بھک سیم کے وہیں جو چہاز غرق ہوا تھا اس میں وہ بھی تھا.... لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ پھلو نزو کے سامنے ایک کبڑا بھی تھا یہ دونوں جرمی کے لیے کام کرتے تھے.... جب روں پر جو جنمی کی ملنگی تو کسی بات پر دونوں میں بچھوٹا ہو گیا تھا جو اتنا بڑا کہ ایک دوسرے کے خونی بندے سے ہو گئے اور کبڑا و سیوں سے جا ملا۔ پھر جب وہ مجھے یہاں نظر آیا تو میں نے بعض شکاریوں میں بناد پر اسے پہچان لیا پھر بھی مجھے یقین کر لینے کے لیے کوئی جواز نہ تھا۔ فتحنا پھلو نزو اکی سوچ گئی کبڑے نے مجھے دیکھا اور بھڑک گیا ایک فائز بھی کیا تھا مجھ پر لیکن میں فیک گیا.... اس دن کے پہنچ سے وہ پھر میری نظر دیں سے او جمل ہو گیا۔ لیکن سیکرٹ سروس کے بعض جیالوں نے اسے پھر سے ڈر ہو گئے نکالا۔ ناہے کہ اس کیس میں سیکرٹ سروس کا چیف تمہارے ٹھکے سے بھی تعاون کر رہا ہے۔ کہو سماج گر کے محل میں کیا رہا؟“  
”وہ.... وہاں....“ فیاض تھوک نکل کر بولا۔ ” محل کی نئی عمارت کے نیچے بھی تھے خانے ملے ہیں.... ڈھیروں اسلخ.... کاغذات اور نہ جانے کیا کیا.... رانی نے نزہر کھالیا تھا.... لیکن بروقت طی مدداد ہے بھیج گئی.... ناہے اس کی حالت ابتر ہے.... جب بھی ہوش آتا ہے ”ہمیں... ہمیں....“ چینخ لگتی ہے....!“

عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلایا....!

﴿تمام شد﴾